

إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ عِسى أَنْ يُبْعَثَكَ بِكَ مَقَامًا مَحْمُودًا

حسبہ ذیل منہ ۸۳۵
The ALFAZL

QADIAN
الفضل
قادیان
تارکاپتہ

فادیان
قیمت چھپائی
سالانہ سے
شیش ماہی
سہ ماہی
تیرہ پیلر
محکم بنیم
میں فضل
میں جبر
ہو۔

فی رچہ

ایڈیٹر علامہ نبی

سورہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء (جمعہ) بقا جمع الثانی ۱۳۴۸ھ
Digitized by Khilafat Library Rabwah

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ نہروپورٹ پر تفصیلی تبصرہ

اس موضوع پر جن اصحاب نے حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے پہلے مضامین
"الفضل" میں ملاحظہ فرمائے ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ انہیں کیسے اہم اور ضروری معاملات
کو واشکاف کیا گیا۔ اور مسلمانوں کو کیسی تباہ کن تجاویز سے کس عہدگی اور وضاحت سے
آگاہ کیا گیا ہے۔ اس پرچہ میں اس سلسلہ مضمون کا ایک اور حصہ شائع ہوا ہے۔ جو پہلے
سے بھی زیادہ اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ تمام مسلمانوں کو بغور اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

المستیع

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو گذشتہ تین دن روزانہ
بخار رہا۔ لیکن حضور باوجود علالت مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت
لئے نہروپورٹ کے متعلق مضمون مرقوم فرماتے رہے۔ الحمد للہ
آج ۹ اکتوبر حضور کی طبیعت اچھی ہے۔
حضرت مرنا بشیر احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت کو رسول کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تصنیف کرنے کے لئے نظارت کے کام ہے
فارغ کیا گیا ہے۔ اور حضرت میاں شریف احمد صاحب ناظر تعلیم و
تربیت مقرر ہوئے ہیں۔
آفیسر کمانڈنگ ۱۱ ٹیڑی ریلوے جنیٹ انبالہ احمدیہ کمپنی ٹیڑی ریلوے
فوس میں بھرتی ہونے والے رنگرڈوں کے مسائل کے لئے تیار ہو کر آیا
مولوی منظور حسین صاحب مولوی فاضل ظفر دال اور ضلع میاں کوٹ کے
مستند مقامات کا تبلیغی دورہ کر کے واپس آئے۔

خطبہ جمعہ

عورتوں کی عزت کی حفاظت کرو
خواہ وہ تمہارے دشمنوں کی عورتیں ہوں

(از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ)
فرمودہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۸ء

(ایضاً)

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-
میں نے اسی مقام پر چند ہفتے ہوئے ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں اس جھگڑے کے متعلق

ایک طریق فیصلہ

پیش کیا تھا جو ہمارے اور ان احمدیوں کے درمیان ہے جس کا مرکز لاہور ہے۔ مجھے اس کے متعلق ان لوگوں کے فیصلہ کا انتظار ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ لوگ اس طریق فیصلہ پر آمادہ ہو گئے۔ اور کوئی ایسے منصف مل گئے جو خدا کی خشیت اور انصاف و عدل کا مادہ رکھنے والے ہوں۔ تو یقیناً یہ طریق فیصلہ ہمارے بہت مفید ہو گا لیکن میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ان لوگوں نے اس طریق فیصلہ کو قبول کرنے سے پہلے

اپنے لڑکھڑکے گاہ

ڈالی۔ اور ساتھ ہی ہمارے لڑکچہ پڑاس وقت سے لیکر جب کے معاہدہ ہوا تھا۔ اس زمانہ تک کہ اسے ان کی طرف سے توڑا گیا۔ اور ان کی طرف سے اس معاہدہ کی

انتہائی بے حرمتی

کو دیکھ کر میری طرف سے اس کی منہ جی کا اعلان ہوا۔ تو یقیناً وہ اس طریق کو اپنے لئے مفید نہیں پائیں گے :-

اس دوران میں کچھ اور واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ اور وہ جھگڑا جس کی ابتدا غیبی مبایعین نے کی تھی۔ اب زیادہ شدت پکڑ گیا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو کارروائیاں عمل میں آئیں۔ اور جس طرز میں انہوں نے ہمیں دوسروں کی نظریں حقیر دکھانے کی کوشش کی۔ اور لوگوں کے جذبات کو ہمارے خلاف بھڑکایا۔ اور جس رنگ میں ہم پر سختہ چینی کی جاتی ہے۔ اور جس سختہ چینی میں نہ صرف عوام بلکہ اسی جوش کے ساتھ ان کا امیر بھی شامل ہے میں اسے

نظر انداز

کرتا ہوں :-

اور اس وقت میں اپنی جماعت کے دوستوں کو بعض نصیحتیں کرتا چاہتا ہوں۔ میں نے پچھلے ہی جمعہ میں اس بات پر تقریر کی تھی۔ کہ دولت اور عزت خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور میں روزانہ بیسیوں دفعہ یہ الفاظ دہرتا ہوں۔ کہ ایلاک تعبد وایلاک فستعلین اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کہ پبلک اوپینین

یعنی

رائے عامہ

کوئی ایسی عظیم الشان چیز ہے جس کے بغیر ہمارا گذارا ہی نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ ایک زبردست چیز ہے۔ جسے قوموں کی ترقی اور منزل میں بڑا دخل ہے۔ اور جس وقت یہ انسانوں کی تدبیروں کے بغیر قائم ہو۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی مرضی کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے یہ اس حالت کے لئے بطور ٹیپو کے ہوتی ہے۔ جو آسمان سے زمین پر پیدا کی جاتی ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یوضعم لہ القبول فی الارض۔ یعنی جب خدا تعالیٰ کسی کو عزت دینا چاہتا ہے۔ تو آسمان پر اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور پھر آسمان پر فرشتوں کے ذریعہ اس کی قبولیت زمین پر اتارتا ہے۔ پس رائے عامہ جبکہ مخالفت حالات میں پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی مرضی کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے۔ اور وہ حقارت کے قابل نہیں ہوتی مگر بائیں ہمہ وہ اس قدر عظیم الشان نہیں۔ کہ اس کے مقابلہ میں سب کچھ نظر انداز کیا جاسکے جس چیز پر ہم کلی طور پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اور جس پر ہمیں پورا پورا اعتماد اور توکل ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اور صرف

استعانت الہی

ہے۔ ہمارا یہ فعل ہے۔ کہ ہم خدا تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہے۔ کہ ہماری دعا میں قبول فرمائے :-

پس اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ان

شبہات اور الزامات

بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ ان جھوٹوں اور افتراؤں کو دور کرنا جو مخالفت پارٹی ہم پر لگا رہی ہے۔ ہمارا مذہبی فرض ہے۔ اور جو اس کے پھانسنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ خدا کا مجرم ہے۔ پھر جو اس کی اہمیت کو گراتا ہے۔ یا جو اس فرض کو پھانسنے والوں کی ناقصی کرتا ہے۔ وہ بھی

خدا کا مجرم

ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فرض کو انتہائے آگے لے جانا بھی غلطی ہے۔ جس مقصد اور جس کام کے لئے ہم دنیا میں کھڑے کئے گئے ہیں۔ وہ

روحانیت و اخلاق

کا قائم کرنا ہے۔ اور اگر ہم انہیں قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر دنیا کی رائے عامہ کے ہم محتاج نہیں۔ اس لئے ہمیں کہ وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ بلکہ اس لئے کہ اس صورت میں وہ ہمارے تابع ہو جائے گی۔ کیونکہ جو شخص خدا کا ہو جاتا ہے۔ دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے

دنیا میں کب ایسا ہوا

کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام کی تبدل کے

لئے کھڑا ہوا ہو۔ اور دنیا اسے تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں بتایا تھا۔ کہ دنیا نور کو نہیں مٹا سکتی۔ وہ شخص مٹ سکتا ہے۔ جس کے ذریعہ نور پیدا یا جا رہا ہو۔ لیکن اس کا کام نہیں مٹ سکتا۔ اور جو لوگ نیکوں کو پھیلانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں انہیں اپنی ذات کی پروا نہیں ہوتی۔ اگر مقصد خدائیں ہوتیں۔ تو

اسلام میں جہاد کا حکم

نہ ہوتا۔ خدا تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم بھی نہ دیتا۔ کہ دشمن کا تلوار سے مقابلہ کرو۔ بلکہ یہ کہتا کہ بندہ ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ کر چڑھ جاؤ۔ یا ان کی داریوں میں چھپ جاؤ۔ یا جنگلوں میں بھاگ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ کیونکہ تھاری جانیں بہت قیمتی ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر۔ عمر اور عثمان رضوان اللہ عنہم کو یہی حکم ہوتا۔ کہ دنیا کے غیر معروف ترین گوشوں میں چھپ جاؤ۔ کیونکہ تھاری جانیں بہت قیمتی ہیں۔ مگر خدا کہتا ہے۔ کہ جاؤ۔ تم نبی ہو۔ یا اس کے پیرو۔ خدا تعالیٰ کو پھیلانے کے لئے کام کرو۔ اور اپنی جانوں کی پروا نہ کرو۔ پس یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ انسان مٹ جائیں۔ مگر جس چیز کے لئے وہ خدا کی طرف سے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ وہ نہیں مٹ سکتی :-

میں نے ایک وقت تک کلی طور پر اپنی جماعت کو غیر مبایعین کے مقابلہ سے روک رکھا۔ لیکن پھر میں نے محسوس کیا۔ کہ یہ طریق بھی غلط ہے جس طرح اسلام میں نا واجب حملہ ناجائز ہے۔ اسی طرح

بے غیرتی بھی ناجائز ہے

اس روکنے سے بعض لوگوں میں بے غیرتی پیدا ہو گئی۔ غیر مبایعین کی طرف سے اگر خطرناک سے خطرناک حملہ بھی ہم پر کیا گیا۔ تو کوئی ایک نے اسے پڑھا۔ اور حکم مال دیا۔ اور کسی نے اگر جواب دینے کی کوشش کی تو اسے کہیا۔ تم کیسے تنگ طرف ہو۔ ایسی باتوں میں کیوں پڑتے ہو۔ یہ دراصل بے غیرتی تھی۔ ان کا ایمان آہستہ آہستہ ان کے دلوں سے نکل گیا۔ پس میں نے دیکھا۔ کہ یہ طریق غلط ہے۔ اور یہ بے غیرتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بے ایمانی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ

بے غیرتی اور ایمان

ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے

احساسات کو صدمہ

پہونچے۔ ان کے لئے بھی جواب کا موقعہ رکھا جائے۔ ان کے احساسات کو مارنے ہی پہلے جانا نامناسب امر ہے۔ میں دوستوں کی حالت کا اندازہ اس کیفیت سے کر سکتا ہوں۔ جو انہی حالات میں خود مجھ پر طاری ہوتی ہے جس طرح ان کو مجھ سے عقیدت ہے۔ اور انہوں نے میری موت کی ہوتی ہے۔ اسی طرح میں نے بھی ان کے ساتھ بالامستیوں کے ساتھ پرہیز کی ہوئی ہے۔ اور میں جانتا ہوں۔ ان پر اگر کوئی حملہ کرے۔ تو میرے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے مجھے یاد ہے۔ یہ خیال نہیں کر میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ یا نہیں۔ لیکن سنا ہے۔

ایک دست تھے

جن کی طبیعت بہت تیز تھی۔ انہوں نے لاہور میں دوکان کی دھواں کسی شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سخت کلمہ کہا۔

وہ اس سے لڑ پڑے۔ کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی شکایت کی۔ آپ نے نصیحت کی۔ اور فرمایا۔ ایسے موقع پر صبر سے کام لینا چاہیے۔ اگر کوئی کالی بھی دے۔ تو خاموش رہنا چاہیے۔ اس پر بجائے اس کے کہ وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھاتے۔ طیش میں آکر کہنے لگے۔ مجھے تو آپ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے پیروں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لئے کوئی کچھ لکے۔ تو آپ کتابیں لکھ کر شائع کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں لکھتے۔ گو یہ جواب غلط تھا۔ لیکن

انسانی فطرت کی بڑھی ہوئی کیفیت

کالیک نظارہ تھا۔ انسانی فطرت ایسے وقت میں جوش میں آجاتی ہے اور خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض حالتوں میں جوش کا اظہار عاجز ہوتا ہے۔ درندہ جیب جوش کو انتہا سے زیادہ دبا دیا جائے۔ تو ایسا پیدا ہوتا ہے۔ یا بے غیرتی۔ پس میں نے اعلان کیا ہے۔ اور اس پر قائم ہوں۔ کہ ایسے لوگوں کو جملات دے لئے جائیں اور نہ صرف ان کو جوابات دے لئے جائیں۔ بلکہ ہمارے سلسلہ کے

علماء کو چاہیے

کہ اور بھی مختلف اعتراضات کے جوابات دیا کریں۔ جو اربوں اور عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ اور اسلام کی تائید میں مضامین لکھیں۔ لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ ہمارے اخلاق دوسروں سے بہت بلند و بالا ہونے چاہئیں۔ بے شک ہمارے مضامین پر زور ہوں۔ اور ایسے بھی ہوں۔ کہ دشمن محسوس کرے۔ کہ بلاوجہ حملہ کرے دوسرے کو کیا تکلیف پہنچتی ہے لیکن

ناجائز اور اخلاق سے گئے ہوئے

نہ ہوں۔ بلکہ ناجائز کی حد تک بھی نہ پہنچتے ہوں۔ یہ جواب کہ دشمن ہم پر ایسے حملے کرتا ہے۔ درست نہیں۔ اس نے اپنے اخلاق کا اظہار کرتا ہے۔ اور ہم نے اپنے اخلاق کا۔ وہ اگر اپنے اندازہ کا اظہار کرتا ہے۔ تو ہمیں اس کی نقل نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہ اپنے نفس پر جبکہ ہم بھی ویسا ہی گند نکالیں میں مانتا ہوں۔ بعض دفعہ اسی طرح اور اسی زبان میں جواب دینا بھی مفید ہوتا ہے۔ جس زبان میں دشمن اعتراض کرتا ہے۔ بعض عیسائیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب ناپاک حملے کئے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سے ہی ان کے

مزعوم مسیح کی حالت کا نقشہ

کھینچ کر بنایا۔ کہ تم تو بعض مخالفین کے اقوال کی بنا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہو۔ لیکن تمہارے مسیح کی یہ حالت تمہاری بائبل میں لکھی ہے۔ نادانوں نے سمجھا۔ کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام پر حملے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ تو بعض دفعہ

دشمن کی اصلاح

کے لئے سختی بھی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ مثال ان لوگوں پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔ اور وہ وفات یافتہ حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت مریم پر اگر کوئی حملہ کرتا ہے۔ تو وہ خود

وفات یافتہ ہیں۔ اس لئے انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں سے اگر کسی ناکردہ گناہ

کو گھسیٹا جائے۔ تو وہ چونکہ زندہ ہے۔ اسے نقصان پہنچنے کا ڈر ہے۔ پس یقیناً غیر مبالغین ہمارے اخلاق ہماری دیانت اور ہمارے کیر کڑ پر حملہ کرتے ہیں۔ مگر انہیں کرنے دو۔ تم جواب ضرور دو۔ مگر ایسا مت کرو۔ کہ جس چیز کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اسے اختیار کر لو۔ شریعت نے کسی کے

اخلاق پر الزام کے لئے شرائط

مقرر کی ہیں۔ اور وہ شرائط ساری دنیا کے لئے ہیں۔ انہیں اس لئے مقرر کیا ہے۔ کہ تاکسی ناکردہ گناہ انسان پر الزام نہ آئے خواہ وہ کوئی ہو۔ کیونکہ بندے سب خدا کے ہیں۔ اور خدا کو ذلیل سے ذلیل انسان کی عزت بھی پیاری ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس کا بندہ ہے۔ اس لئے جواب دینے میں اس بات کی خاص احتیاط رکھنی چاہیے۔ ابھی

ایک شکایت

مجھے پہنچی ہے۔ پیغامیوں کی طرف سے ایک شخص نے ایک مضمون کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ بہت نامناسب ہے۔ نیز اس شخص نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ میں نے مولوی محمد علی صاحب کی بیعت بذریعہ خواب کی تھی۔ کاش اسے معلوم ہوتا۔ کہ مولوی صاحب نے اس قسم کے

خوابوں کی دھجیاں

کس طرح اڑائی ہیں۔ مولوی صاحب کے نزدیک ماموروں کے خوابوں کے سوا اور وہ بھی ان ماموروں کے جنہیں مولوی صاحب مان لیں۔ کسی کا خواب حجت نہیں ہوتا۔ ان کے لئے اگر ایک شخص کو خواب آیا ہے۔ تو میں اس ایک کے مقابل میں سو سے بھی زیادہ اس سے تقویٰ میں بڑھے ہوئے اور بے تعلق لوگوں کو پیش کر سکتا ہوں جنہیں میرے متعلق خواب آئے۔ سو اگر یہ

معیار فیصلہ

قرار پا جائے۔ تو آج ہی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر منظور نہیں۔ تو اس ایک خواب کا کیا ٹھکانا ہے۔ وہ تو اسی طرح پر آگندہ پھر گئی۔ جس طرح ریوڑ سے علیحدہ ہو کر ایک جانور پھرتا ہے۔ خدا کے فضل سے ریوڑ میری طرف ہے۔ اور ان کی طرف ایک پر آگندہ بھیڑ کے سوا جو بھیڑے کا شکار بنتی ہے۔ کوئی نہیں۔ اس شخص نے ایک مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں چونکہ کچھ دنوں بہت ضروری کاموں میں مشغول تھا۔ اس لئے اس کو مکمل طور پر تو نہیں پڑھ سکا تھا کہیں کہیں سے دیکھا تھا۔ اس لئے اس کا سارا مفہوم میرے ذہن نقش نہ تھا۔ اس نے اس مضمون سے بعض فقرات نقل کئے ہیں۔ اور لکھا ہے۔ یہ سورہ نور کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور اس میں کوئی

شک نہیں۔ کہ اگر وہی مطلب ان الفاظ کا لیا جائے۔ جو اس نے لیا ہے۔ اور اگر کہنے والے کے نزدیک بھی وہی مطلب تھا۔ تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ لیکن میں اس مضمون کی شکایت کرنے والے سے کہوں گا۔ کہ اس سے زیادہ خطرناک

حملے مولوی محمد علی صاحب نے مجھ پر کئے ہیں۔ گو یہ ان کی ہوشیاری ہے۔ کہ لائبل کے خوف سے انہوں نے نام نہیں لیا۔ مگر یہ بھی ان کی نادانی ہے۔ کہ انہوں نے خیال کیا۔ شاید میں لائبل انہیں کروں میری عزت گورنمنٹ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اپنی

عزت گورنمنٹ کے ہاتھ میں

سمجھتے ہیں۔ مگر میں خدا کے ہاتھ میں سمجھتا ہوں۔ وہ آئیں اور جس قدر ان کا دل چاہے۔ مجھے گالیاں دے لیں۔ میں تو جب لائبل کروں گا

خدا کے ہاں

ہی کروں گا۔ لیکن اس کے لئے بھی میں ابھی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ اس وقت تک کوئی ایسی خطرناک بات نہیں ہوئی۔ جو سلسلہ کے لئے نقصان دہ ہو سکے۔ خدا تعالیٰ کو خود سلسلہ کی حفاظت منظور ہے۔ وہ جب دیکھیں گے۔ کہ سلسلہ کو نقصان یا ضعف پہنچ رہا ہے۔ تو وہ خود فعل دیگا۔ لیکن میں لائبل نہیں کرتا اور نہ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ کبھی کروں گا۔ کیونکہ یہ میری فطرت کے ہی خلاف ہے۔ تو یہ ان کی غلطی تھی۔ کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی طبیعت پر میری طبیعت کا قیاس کر لیا۔ اور اس لئے نام چھپانے کی کوشش کی۔ حالانکہ جس عقلمند کے بھی سامنے وہ مضمون رکھ دیا جائے۔ وہ فوراً کہہ دیگا۔ کہ یہ اشارہ کس کی طرف ہے۔ پہلے

میرے مضمون کا حوالہ

دیا گیا ہے۔ پھر پردہ پر بحث کی ہے۔ پھر لکھا ہے۔ کہ وہ مفتی اور پیر جو ایسے فتوے دیتے ہیں۔ ان کے گھروں میں ایسا ہوتا ہے اس مضمون کو پڑھ کر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس میں صرف مجھ پر ہی حملہ نہیں۔ بلکہ جماعت کی سینکڑوں

معصوم عورتوں پر بھی حملہ

ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جس کو گالی دی جائے۔ اس کی ہتک نہیں ہوتی۔ بلکہ ہتک خود گالی دینے والے کی ہوتی ہے۔ اس مضمون میں مولوی صاحب نے اپنے اخلاق کے دنی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک عفت کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ اور وہ جوش میں انسانیت کے ادنیٰ درجہ سے بھی گر جاتے ہیں۔

بہر حال ان کی تحریر موجود ہے۔ اگر یہ خط لکھنے والے کے نزدیک ان کا طریق عمل درست ہے۔ تو اسے تو چاہیے تھا۔ مجھے لکھتا۔ چونکہ خواب میں مجھے مولوی محمد علی صاحب کی صداقت کا یقین دلایا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو بھی چاہیے۔ کہ انہیں کے طریق عمل پر چلیں۔ لیکن وہ مجھے شکایت لکھتا ہے۔ بہر حال میں اس کے خواب کا تابع نہیں ہوں۔ بلکہ

قرآن کریم کا تابع

ہوں۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اگر ہم پر ایسے حملے کریں۔ تو کریں۔ مولوی محمد علی صاحب کریں تو بے شک کریں۔ لیکن میں نہیں چاہیے کہ باعفت عورتوں پر کوئی حملہ کریں۔ ڈاکٹر

Khilafat I
عساکر اکبر کو

جن کی عفت بے غیرتی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ توجہ دلاتا ہوں
کہ وہ اس میدان میں پیچھے پھیر کر کھڑے نہ رہیں۔ اپنی ہمت
اور کوشش کے مطابق حصہ لیں۔ وہاں

مجاہد دوستوں کو

جو کام کر رہے ہیں۔ توجہ دلاتا ہوں۔ کہ جس کی عزت
خدا نے قائم کی ہے۔ اس کا خاص خیال رکھیں۔ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگ میں ایک عورت کی لاش
دیکھی۔ صحابہ کا بیان ہے۔ آپ ایسے سخت غضبناک ہوئے۔
کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئے تھے۔ اور فرمایا۔ کبھی کسی
عورت پر حملہ نہ کرو

پس تم بھی کسی عورت پر کبھی حمل نہ کرو۔ دشمن کو اپنا
اندرون نہ ظاہر کرنے دو۔ اور تم اپنا کرو۔ وہ جب اپنے گھر کو ٹیٹا
تو خدا کا غضب اس پر نازل ہو رہا ہوگا۔ اور تم اس کے فضل
کے دار ث بنو گے۔ کون کہتا ہے۔ کہ ایسا کرنے سے وہ جیت
جائے گا۔ اور تم ہار جاؤ گے۔ یقیناً تم ہی جیتو گے۔ اور وہ ہار لے گا۔

اشتهای ضرورت ترأت

دویرہ دون کے لئے ایک نیک مخلص اور مستعد
اٹھری موٹر میکائنک کی ضرورت ہے۔ جو ٹھنڈا اور گرم
کام بھی جانتا ہو۔ ہر ایک قسم کی موٹر مرمت کر سکتا ہو۔
خط و کتابت معرفت ناظر صاحب امور عامہ
قادیان ہونی چاہیے۔

درخواست کے ہمراہ مقامی پریذیڈنٹ یا سیکرٹری
صاحب کی سفارش کا خط ضرور بھیجا جاوے۔ تنخواہ حسب
لیاقت دی جاوے گی۔

بشارت احمد صاحب کی بیٹی۔ یا مولوی محمد علی صاحب کی علی
ہونے کی وجہ سے کسی ایسی عورت پر جسے خدا تعالیٰ باعصمت
کہتا ہے۔ کوئی حملہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر مضمون نویس کا
منشا یہی تھا۔ تو میں اسے نصیحت کر دوں گا کہ۔

توبہ کرو

ہیں ہرگز کوئی حق نہیں کہ جس نے ہم پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ اس پر حملہ کریں۔ ہاں سوال کے طور پر یہ لکھا جاسکتا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کا یہ فتوئے ہے۔ اگر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب یہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں ان پر کیا فتویٰ چسپاں ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ کی صورت میں اسے تبدیل کر دینا ٹھیک نہیں۔ یہ کہنا کہ فلاں جو کہ یہ فتویٰ دیتا ہے۔ اس لئے نفس پرستی کرتا ہو نا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں بعض ایسی عورتوں پر حملہ ہے جن کا کوئی گناہ ہم پر ثابت نہیں۔ اگر وہ لوگ بغض میں انتہائی درجہ بھی پہنچ جائیں۔ پھر بھی ہم ان کی مستورات کو عقیقہ ہی سمجھیں گے کیونکہ خدا تعالیٰ ان کو عقیقہ کہتا ہے۔

عورت کی عزت کی حفاظت

خواہ وہ دشمن کی ہو۔ انسانیت کا ادنیٰ فرض ہے۔ اور بہادر آدمی کا کام ہے کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی عورت کی عزت کی حفاظت کے لئے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اگر اسے جان بھی دینی پڑے۔ تو قطعاً دریغ نہ کرے۔ پس تم بہادر بنو۔ اور عورت کی عزت کی حفاظت کر دو عورت کی عزت کو خدائے قائم کیا ہے۔ اور وہ

شعاعِ انوار

میں سے ہے۔ اس لئے اس کی عزت ہم پر فرض ہے۔ میں ان مجبوروں سے بخوبی آگاہ ہوں۔ جن سے آپ لوگوں کو گذرنا پڑتا ہے! اور ان لوگوں کو

ایمان سے خالی

سمجھتا ہوں۔ جو بے غیرتی دکھاتے ہیں۔ اور دشمن کے اعتراضات اور الزامات سن کر باوجود جواب دینے کی طاقت اور قابلیت رکھنے کے خموش ہو جاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں۔ جانے دو۔ ان باتوں کے جواب نہیں دینے چاہئیں۔ وہ ہم میں سے نہیں اور وہ خدا کی رضا کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی میں ہر اس شخص کو جو مقابلہ کے لئے زبان یا قلم اٹھاتا ہے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ ایسے رنگ میں نکھے۔ جو بے شک تیز ہو۔ موثر ہو۔ لیکن اس میں کسی ناکردہ گناہ پر کوئی

تقویٰ کے قیام کے لئے

کھڑے کئے گئے ہیں۔ پس کوشش کرو۔ کہ ہم جب دنیا کو چھوڑ
کر جائیں۔ تو دشمن بھی محسوس کرے کہ ہم دنیا میں اصلاح
کے لئے ہیں۔

میں ایک طرف جہاں ان

[illegible]

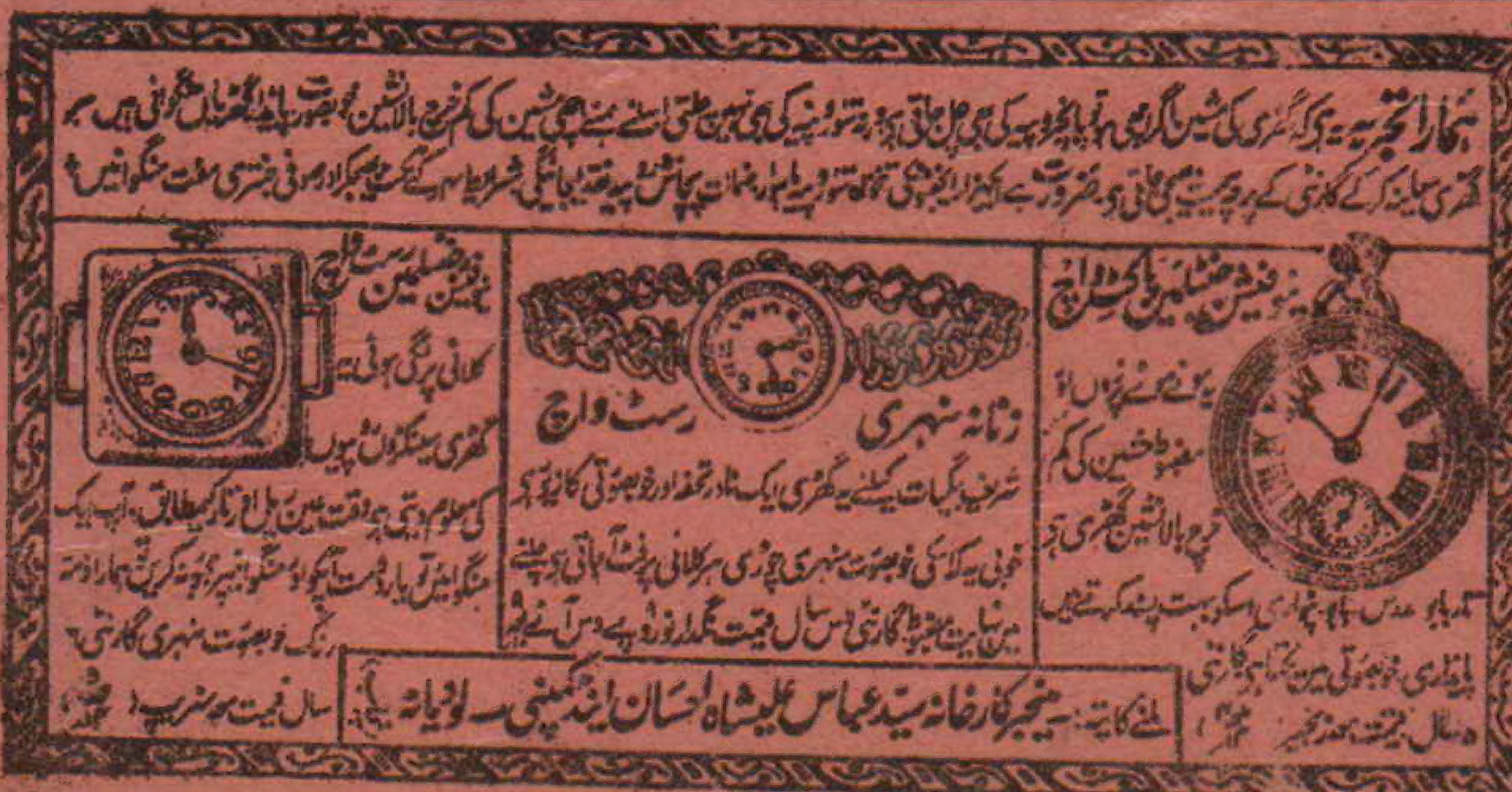
مہیم اینڈ کو سیالکوٹ سٹی

Hem & Co. Sialkote City

پیغام شادی

ایک شریف داندانی لڑکے کی شادی کی ضرورت ہے۔ جو بی۔ اے یعنی کالج کے سال چہارم میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ شریف داندانی صاحبان جو لڑکے کو آئندہ تعلیم ترجیحاً دلائیٹ میں دلا سکیں۔ یا کوئی عمدہ کاروبار کافی سرمایہ سے کرا سکیں۔ وہ بتوسط ذیل خط و کتابت فرمائیں۔ تمام مراسلات صیغہ راز میں رہیں گے :- ۱۔ م۔ معرفت ایڈیٹر صاحب اخبار الفضل "قائمان

پیغام شادی



(عبدالرحمن قادیانی نے شریعت محمدیہ علیہ السلام پر قادیان میں چھپو کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)

مولانا محمد علی صاحب احمد لندن میں

مولانا محمد علی صاحب کو جو بجائے صحت کے لئے یورپ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ احمدیہ مسجد لندن میں تشریف لائے پر انگریز نو مسلم احمدیوں اور دوسرے احمدی اصحاب بقیم لندن کی طرف سے ۱۔ اگست ایک ایڈریس دیا گیا۔ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان نے پڑھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے طویل تقریر فرمائی۔ اختتام جلسہ کے بعد انہوں نے نماز مغرب جماعت احمدیہ کے ساتھ ادا کی۔ اور بعد میں دیر تک مختلف امور کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔

پروٹسٹ انجمن احمدیہ صوبہ سریشا کا اعلان

پروٹسٹ انجمن احمدیہ صوبہ سرحد کی بعض تجاویز کے متعلق مشورہ کے لئے ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء بروز اتوار بوقت ۴ بجے شام مسجد احمدیہ شیشا میں اجلاس منعقد ہوگا۔ جہاں انجمن اسٹے صوبہ کے امراء و پریزڈنٹ صاحبان و دیگر نمائندگان کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وقت تقریر پر شریک جلسہ ہو کر اپنے قیمتی مشورہ سے مستفید فرمائیں۔ خاکسار عبد المجید احمدی۔ سکریٹری استقبالیہ کمیٹی پروٹسٹ انجمن احمدیہ صوبہ سرحد پشاور

نوش نام مولوی عبد صاب کبیر بنگر

آج یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء کو آپ کی طرف سے ایک تحریر بواسطہ جلالہ پورہ کوٹھی موصول ہوئی۔ جس میں آپ نے مبارک اللہ ایرانی کے اوعار الوہیت اور اسے آمت "لو تقول" کے دائرہ سے خارج ثابت کرنے پر قادیانیوں کو پانچ سو روپیہ بطور تاوان دینے کا اقرار کیا ہے۔ اور تمام جماعت احمدیہ کو چیلنج کیا ہے۔ سو میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے اس چیلنج کو منظور نہا ہوں۔ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں۔ کہ ثابت کروں۔ کہ ہمارا ایرانی ۲۳ سالہ معیار (لو تقول) کے ماتحت نہیں آتا۔ اس کا دعویٰ بعینہ اسی طور پر الوہیت کا ہے جس طرح گھوٹے آج کل سچی لوگ حضرت مسیح کی الوہیت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یعنی ایک پہلو سے انسان اور ایک پہلو سے خدا۔ یہی دعویٰ احمدیہ لٹریچر میں ہمارا اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ آپ کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میں اس نوش کے ذریعہ آپ کو مطلع کرتا ہوں۔ کہ آپ فوراً مبلغ پانچ سو روپیہ ایسیریل جب آت انڈیا میں جمع کرنا اس کے منجر کی طرف سے ایسی تحریر باقاعدہ فوراً مجھے بھجوا دیں۔ کہ اگر ثالث جماعت احمدیہ کے حق میں فیصلہ دینگے۔ تو خاکسار کو مبلغ پانچ سو روپیہ فوراً ادا کر دیا جائیگا۔ اس چیلنج کے جواب میں جو چوں کے شروع کرنے اور ان کی تعداد اور دیگر شرائط کے متعلق مندرجہ بالا تحریر آئے پر تصدیق کیا جاسکتا ہے نقلاً نوٹ: ۱۵۔ اکتوبر تک اس نوش کا جواب میرے نام معرفت خلیفہ نور الدین صاحب احمدی سرخیز آنا چاہئے۔ بعد ازاں قادیان کے تیر پر: خاکسار ابوالمصطفیٰ اللہ تعالیٰ جلالہ پورہ مولوی فاضل مبلغ جماعت احمدیہ قادیان

کا اندازہ معیشت کے وقت ہی لگایا جاسکتا ہے۔ آنحضرت مسلم پر ایک تنگی کا وقت وہ تھا جب کفار نے آپ کے قتل کی نیت سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ اور آپ وہاں سے سلامت نکل کر غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے۔ اب دشمن غار کے منہ پر کھڑے تھے۔ ذرا نیچے گردن جھکائے تو وہ حضور اور آپ کے بار بار کو دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ ابو بکرؓ اس حالت کو دیکھ کر غم کھاتے ہیں۔ تو آپ اُسے یوں تسلی دیتے ہیں۔ کہ لا تمحزن ان اللہ معنا۔ کہ تو غم نہ کر۔ اللہ ہمارا محافظ ہے۔ وہ ہمارا نام و دھند کا ہے۔ پھر کس کی مجال ہے۔ جو ہمیں قتل کر سکے۔ مگر جب مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ تو انہوں نے بالفاظ انجیل چلا کر کہا۔ ایلی ایلی لما سبقا۔ اے میرے خدا اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اب بتاؤ ان دونوں میں سے کون خدا تھا۔ کاذب یا وہ مقرب ہو سکتا ہے۔ اور کس کا اللہ تھا۔ اے میرے خدا زیادہ تعلق تھا۔ اور کس کو اپنے مولا کی مدد کا زیادہ یقین تھا۔ کیا وہ جو کہتا ہے۔ کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یا وہ جس نے اپنے ساتھی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے کہا۔ کہ غم نہ کر۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہمارا محافظ ہے۔ چنانچہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے پورا کیا۔ یا وہ جو دیکھ آنحضرت مسلم کی شدید مخالفت ہوئی۔ اور دشمنوں نے آپ کے قتل کی جان ٹوڑ کوششیں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کی۔ اسی طرح ابو بکرؓ کی خلافت کے وقت ارتداد کا فتنہ لگنے کی طرح اٹھا۔ اور اس وقت بھی اسلام سخت خطرہ کی حالت میں پڑ گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کی حفاظت کی۔ مگر قول لا تقضت اب اللہ معنا کی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و زیدؓ سب شہید ہوئے۔ اتباع کی حالت دیکھی جائے۔ تو آنحضرت مسلم عمرؓ کی نسبت فرماتے ہیں۔ ما لقیك الشیطان فجا الاسلام فجا غیور حجت۔ کہ اے عمرؓ تجھے شیطان کبھی نہیں ملا۔ مگر اس نے تیرا رشتہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی۔ اب اس حدیث سے ظاہر ہے۔ کہ شیطان حضرت عمرؓ سے ایک بڑا دشمن تھا۔ کی مانند بھانسا ہے۔ مگر مسیح انجیل بتی بائبل میں اپنے سب سے بڑے حواری کو شیطان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس ٹریکٹ کو اب تقیم کیا جا رہا ہے۔ اور مسیحیوں پر اس کا اچھا اثر ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی چونکہ اقتصادی حالت گری ہوئی ہے۔ اس لئے بھی بعض جہلاء کے مسیحی ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اندر ہی اندر مسیحی دینا تو کی عورتوں اور مردوں میں اپنی تبلیغ کا جال پھیلا رہے ہیں۔ انشاء اللہ جہاں تک ہماری طاقت ہے۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ و توفیق الایات خادم جلال الدین۔ شمس احمدی از جیٹھا۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۲ء

درس کے حبل کا نوٹ

جن دوستوں نے درس کے موقیعہ پر نوٹوں کی قیمت ادا کی تھی۔ انکی خدمت میں اطلاع عرض ہے۔ کہ وہ اپنی کاپی کرمی مولوی عبد الرحمن صاحب مولوی فاضل مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان سے محصول لکھ چکے ہنگامہ میں جن دوستوں کو خیال ہو کہ ان کی تصویر نہیں آئی ہوگی۔ اور وہ چپہ در چپہ اپنا چاہتے ہوں۔ وہ خاکسار کو مطلع فرمائیں۔ اگر گنہگار بنی ہوئی۔ اور وہ تو اس کی تصویر نہ آئی۔ تو ان کو قیمت پانچ روپیہ ملے۔ خاکسار نے اس پر رضامندی کر لی

فلسطین میں تبلیغ مسیحی کا مقابلہ

تبلیغ مسیحی سے جو قریب مسلمانوں کو ہند میں دینی لحاظ سے پہونچا وہ برادران ہند پر یعنی جنس ہے۔ ہزار ہا اشخاص جن کے باپ دادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام پر اپنے اموال و نفوس فدا کرنا اپنے لئے موجب فخر و سعادت خیال کرتے تھے۔ مسیحیت کا شکار ہو گئے۔ پھر یہی نہیں۔ کہ انہوں نے اسلام جیسے صلہ کن اور کامل مذہب کو چھوڑا۔ بلکہ اس خیر البشر کے حق میں جو کہ جن و احسان کا مجسم نمونہ تھا سب دشمن اور برا بھلا کہنا کا رٹو اب بھجا۔ تب خدا تعالیٰ کی صفت غیہ جوش میں آئی۔ اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا۔ آپ نے تبلیغ مسیحی کا پورے زور سے مقابلہ کیا۔ اور اس سیلاب کو جو اسلام کے لئے دہل جان ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے مضبوط بند لگا کر روک دیا۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی۔ جو تبلیغ مسیحی کا پوری طرح مقابلہ کر سکے۔

اب چند سالوں سے عربی ممالک میں بھی تبلیغ مسیحی زور پکڑ رہی ہے۔ عیسائیوں کا معمم ارادہ ہے۔ کہ کوئی جگہ کوئی شہر اور کوئی دیہہ ایسا نہ رہے۔ جس میں تبلیغ نہ کی جائے اور وہ یہ عزم کئے ہوئے ہیں کہ اس سلسلہ کو حجاز میں پہونچائیں۔ ابھی چند ماہ گذرے ہیں۔ کہ مخالفت ممالک کے پادریوں اور لیڈروں کی قدس میں ٹوٹ رہی تھی جس کا ذکر اخبارات میں آچکا ہے۔ مگر مسلمان ابھی تک تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور مقابلہ بالمثل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ بات کا جواب پتھر یا اینٹ سے دینا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کئی مسلمان عیسائی بھی ہو چکے ہیں۔

جب سے یہ حکم حضرت امام جماعت احمیہ ابو اللہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین میں پہونچا ہوں۔ بہت سے مسیحیوں سے مسلمانوں کی موجودگی میں مناظرات ہوئے ہیں۔ جن سے مذہب مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا۔ بعض اشخاص جو پادریوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ اور ان کے زیر اثر تھے۔ وہ میرے پاس آتے رہے۔ میں نے ان کے شکوک و شبہات کو جو انہیں اسلام کے متعلق تھے۔ دور کیا۔ اب جماعت احمدیہ سورہ فلسطین نے یہ تقاضا کیا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً مسیحیت کی تردید اور اسلام کی تائید میں ٹریکٹ شائع کئے جائیں۔ چنانچہ پہلا ٹریکٹ جو ہم صفحہ کا ہے۔ دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا ہے۔ اور اس کا نام المصلیۃ السنیۃ للفتنة الملبشورة المسیحیۃ ہے۔ یعنی مسیحی مبلغ جماعت کے لئے عمدہ تحفہ۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق پر توریت و انجیل سے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور نیز ثابت کیا گیا ہے۔ کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔ اور مسیح علیہ السلام اور آپ کا ہم نظرائی فضائل اور اتباع کے مقابلہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ منجملہ امور کے ایک ایک بات تارین کرام کی حقیقت طبع کے لئے رقم کرتا ہوں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ کسی کی دوستی کسی کے فتنوں اور قلبی حالت

الفضل

نمبر ۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء | جلد ۱۷

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ - مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ

۱۹۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ہموالہ ہندو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

(۱)

کیا قلیل التعداد جماعتوں کو خاص

قوانین کی ضرورت ہوتی ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جو مدتوں سے زیر بحث ہے۔ روٹی پائے نے یہودیوں کے متعلق چند سال کے لئے عارضی طور پر اور اسلامی حکومت نے ابتداً بعد سے غیر مسلموں کے متعلق ایسے قوانین کو جاری کیا تھا۔ کہ جن سے اقلیتوں کی حفاظت ہو سکے۔ فلسطینیہ کی فتح پر محمد ثانی نے مسیحیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص قواعد بنائے جنکا بیشتر حقہ فردی مسئلہ نہ تھا۔ جبکہ ترکی حکومت نے اسلامی قوانین کی جگہ سوشلزم لینڈ کا قانون دیوانی اپنے ملک میں جاری کر دیا۔ لیکن اس سوال کو بین الاقوامی حیثیت سب سے پہلے ۱۸۷۸ء میں حاصل ہوئی ہے۔ جبکہ کانگریس آف وٹمان نے یونائٹڈ نڈر لینڈ کی نئی حکومت قائم کی۔ چونکہ اس ملک میں دو مذہب اور دو زبانیں ملی جاتی تھیں۔ اس لئے قلیل التعداد جماعتوں کی حفاظت کے لئے ایک دستاویز لکھی گئی۔ جو تاریخ میں در آٹھ دفعات اس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی دفعہ دو یہ ہے:-

۱۔ قانون اساسی کی ان دفعات میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی جو تمام مذاہب کو یکساں حق اور آزادی عطا کرتے ہیں اور سب شہریوں کو خواہ ان کا کوئی مذہب ہو۔ بکری عہدوں اور اعزازوں کا مستحق قرار دیتے ہیں یا

پھر دفعہ چار یہ ہے:-

۲۔ تمام باشندگان نڈر لینڈ اس طرح برابر کے حقوق حاصل کر کے تمام ایسے تجارتی اور دوسرے حقوق پر یکساں دعوئے رکھیں گے جنکی ان کے حالات عبادت دیتے ہیں۔ اور کوئی روک یا مشکل

ان کے راستہ میں نہ ڈالی جائے گی۔ جس سے دوسری قوم زیادہ فائدہ حاصل کر لے

چونکہ اس وقت تک صرف مذہب ہی اختلاف کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اسی کا ذکر اس معاہدہ میں کیا گیا تھا۔ گو بعد میں ثابت ہوا۔ کہ اکثریت اقلیت کو تباہ کرنے کے لئے اور ذرائع بھی ایجاد کر لیتی ہے۔ چنانچہ نڈر لینڈ میں ٹیچنگ زبان کو دبا کر جو اقلیت کی زبان تھی۔ اقلیت کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد ۱۹۱۷ء میں یونان کی حکومت کے قیام کے وقت ۱۹۱۷ء میں جزائر آرمین کی علیحدگی کے وقت ۱۹۱۸ء میں رومانیہ کی علیحدگی کے وقت کانگریس آف برلن میں ۱۹۱۸ء میں سر دیا ۱۹۱۸ء اور بلغاریہ کے علاقوں کے متعلق اقلیتوں کی حفاظت کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا۔ اور ایسے قوانین تجویز کئے گئے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق تلف نہ ہو سکیں۔

جنگ عظیم کے بعد جب یورپ میں نئی تبدیلیاں ہوئیں۔ تو پولینڈ۔ لیتھوینیا۔ لٹویا۔ اسٹونیا۔ آسٹریا۔ ہنگری۔ رومانیہ۔ زکوسلووکیا۔ یوگوسلیویا سے خاص معاہدات لئے گئے۔ جن کا نام معاہدات متعلق اقلیت ہے۔ ان معاہدات میں اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق اکثریتوں کے دست قدرت سے محفوظ رہیں۔

اوپر کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت صدیوں سے زیر بحث ہے۔ اور اقوام عالم اس کی اہمیت کو تسلیم کر چکی ہیں۔ اور اس وقت عام طور پر یہ امر تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ اقلیتوں کو خصوصاً جبکہ وہ ممتاز وجود رکھتی ہوں خاص حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی اختلاف ہے۔ تو صرف یہ ہے۔ کہ بعض اقوام اس امر کی دعائے وار ہیں۔ کہ ان کے ملکوں میں چونکہ اقلیتوں کو اکثریت سے کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے ان

کے ملک میں یہ قانون نہ جاری کیا جائے۔ لیکن دوسری اقوام کہتی ہیں۔ کہ نہیں۔ جب ہمارے ملک میں یہ قانون جاری کیا گیا ہے۔ تو سب اقوام کو اس پر عمل کرنے کا معاہدہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز کے ۱۹۲۳ء پر لکھا ہے:-

۱۔ لیکن یہ پریذیڈنٹ ولسن نے اس امر کا کوئی جواب نہ دیا۔ کہ اقلیتوں کی حفاظت کا قانون ان تمام حکومتوں میں جاری ہونا چاہیے۔ جن میں اقلیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سوال اب تک بھی بغیر جواب کے پڑا ہے۔ اور وہ عدم مساوات جو ان معاہدات سے پیدا ہوئی ہے۔ کہ نئی حکومتوں کو اس کا پابند کیا گیا ہے۔ لیکن پرانی حکومتوں کو نہیں۔ اس کو بہ نسبت اس اندرونی معاملات میں دخل اندازی کے جسے ان معاہدات میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ بہت زیادہ ہری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

جنگ عظیم کے بعد جن ملکوں میں نئی اقلیتیں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اٹلی بھی ہے۔ جس سے اقلیتوں والا معاہدہ نہیں لیا گیا لیکن وہاں جو حال اقلیتوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اقلیتوں کو حفاظت کی کس قدر ضرورت ہے (اور مسلمان بھی اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ اگر خود حفاظتی کے بغیر انھوں نے ہندوؤں سے سمجھوتا کر لیا۔ تو ان کا کیا انجام ہوگا) اٹلی کو جو نیا علاقہ جنگ کے بعد ملا ہے۔ اس میں سے کچھ تو وہ ہے۔ جس میں جرمن آبادی پائی جاتی ہے۔ اور کچھ وہ ہے۔ جس میں سرب اور کروئس پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں سے اٹلی نے جو معاہدات سے یقیناً زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے۔ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ خود سینور میوزینی کی ایک گفتگو سے ظاہر ہے۔ فردری ۱۹۲۷ء کو فرانس کے ایک اخبار کے نمائندہ کے سوال کے جواب میں انھوں نے بیان کیا کہ:-

”جب میں نے جنوبی ٹائرل کا معاہدہ کیا اس طرح علاقہ جو اب اٹلی کو ملا ہے۔ اور جس میں جرمن نسل کے لوگ بستے ہیں) تو میں نے دیکھا۔ کہ وہاں ہر ایک چیز جرمنی اثر کے ماتحت ہے۔ گرجہ۔ سکول۔ پبلک کارکن ریل اور پوسٹ آفس کے افسر سب جرمن ہیں۔ ہر جگہ یہ صرف جرمنی زبان ہی سننے میں آتی تھی۔ اور لوگ ایسے گیت گاتے تھے۔ جن کا روم میں گانا فوری گزرتی رہا کا موجب ہوتا۔ اب اس علاقہ کے ہر ایک سکول میں اٹلین زبان لازمی ہے۔ تمام ڈاکخانہ اور ریل کے افسر اٹلین ہیں۔ اور اب ہم وہاں بہت سے اطالوی فغانان لسان کی فکر میں ہیں۔ ایک ہزار فغانان پیشہ فوجیوں کا جو ٹائرل کو اس فرض کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ کہ وہاں کی زمین کی حالت کو اچھا بنائیں۔ اس طرح ہم اس ملک کو اطالوی بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

(دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۲۰۹)

اس طالوی بنانے کی تعمیل یہ ہے۔ کہ

تمام قانون صرف اطالوی زبان میں شائع کئے جاتے ہیں۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء کا اعلان اطالوی زبان کو عدالتوں میں لازمی قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح قلیل القدر جماعتوں کے قانونی حق کو سخت صدمہ پہنچاتا ہے یہ اعلان اطالوی زبان کے سوا باقی سب زبانوں کو دیوانی یا نوعداری کارروائیوں میں خواہ دیوانی ہو یا تحریری ممنوع قرار دیتا ہے۔ اسیر و دی لوگ بنائے جاسکتے ہیں۔ جو اطالوی زبان جانتے ہوں۔ تمام کاغذات اور شہادتیں جو اور کسی زبان میں ہوں۔ ڈی کر دی جاتی ہیں۔

مگر صرف اطالوی جانتے والے لوگ اسیر بنائے جاتے ہیں۔ اس لئے اقلیتوں کے ہر فرد کو یہ امید رکھنی چاہیے کہ سب کی سب چیزیں اس کے قطعی طور پر مخالفت ہوگی۔ مگر کوئی ایک فرد بھی اقلیتوں کا ان مبین سے کسی نہ کسی وقت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن ٹولوس (اطالوی وزیر) کے پروگرام میں مذکورہ بالا امور کے علاوہ اور ذرا لے بھی لوگوں کو اطالوی قوم میں شامل کر لینے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ صفحہ ۲۱۲ و ۲۱۳

ان امور کو گناہ کے بعد دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز کی لائق مصنفہ کہتی ہے کہ

”صرف اقلیتوں کے معاہدات نے ہی دوسری حکومتوں کی اقلیتوں کو اس انعام سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ مثال اس امر کی کہ بغیر حد بندیوں کے قوم پرستی کیا کچھ کر سکتی ہے ظاہر کرتی ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے معاہدات کیسے ضروری ہیں۔ اور یہ کیسی سخت غلطی تھی کہ اطالوی حکومت کی خود اختیاری کا احترام کرتے ہوئے اسے اس معاہدہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔“

مجھے اس مثال کے بعد اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ دیا تسلیم کر چکی ہے کہ اقلیتوں کی حفاظت کی اشد ضرورت ہے۔ اٹلی میں اس امر کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ اس جگہ اقلیتوں کی حالت باوجود بلند دوسرے ایسے ہی ممالک کو کہہ رہی ہے کہ ۶۰

میں نہ کروم شتا عند بنسجد

اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ باوجود عبرت کے موجود ہونے کے خالہ اٹھاتے ہیں۔ یا نہیں۔

نہرو رپورٹ کے نزدیک اقلیتوں کو خاص حفاظت کی ضرورت تھی

جو کچھ میں ادھر لکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد اس کی ضرورت تو نہیں۔ کہ میں نہرو رپورٹ کے دعویٰ کو پیش کر کے رد کر دوں۔ لیکن اس خیال سے کہ تفصیل شاید اس مسئلہ کو اور روشن کر دے۔ میں بنانا چاہتا ہوں کہ

نہرو کمیٹی نے بھی اس امر پر زور دیا ہے۔ اور کانگریس والے اور جمہوریت والے بھی ہمیشہ اس امر پر زور دیتے چلے آئے ہیں کہ قلیل القدر جماعتوں کو خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر جب انصاف کیا تو قاعدہ بنائے جائیں۔ تو ان کے تحت قلیل القدر جماعتوں کو کسی نقصان

کے پہنچنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ دلیل ہمیشہ منہ دوڑکی طرف سے پیش ہوتی چلی آئی ہے۔ اور نہرو کمیٹی کے بین السطور سے بھی یہ صاف ظاہر ہے۔ بلکہ نہرو کمیٹی تو ایک عجیب نرالی منطق بھی چھپاتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ”اگر قومی حفاظت کی ضرورت کسی جماعت کے لئے ضروری بھی ہو۔ تو اس کی ضرورت دو بڑی جماعتوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے تو بالکل نہیں۔ اس کی ضرورت ان چھوٹی قوم کے لئے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ جو سب ملکر ہندوستان کی دس فیصدی آبادی بنتی ہیں۔“ (نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸)

گویا اول تو قلیل القدر جماعتوں کی حفاظت کے قواعد کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر ہو۔ تو پھر بالکل چھوٹی جماعتوں کو ہے۔ نہ کہ مسلمانوں کو۔ اس منطق کے سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔ اور یہ عقل کے بالکل برخلاف ہے۔ یہ بات تباہت ہو سکتی ہے۔ اگر کم سندرہ ذیل امور کو ملحوظ رکھیں جو نہرو رپورٹ (۱) بڑی اقلیت اور اکثریت میں اختلاف کا اسکان بنسبت چھوٹی اقلیت کے کم ہوتا ہے۔

(۲) یکساں قواعد تجویز کرنے سے انصاف قائم ہو جاتا ہے۔ میں ان دونوں باتوں کو صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اور نہ کوئی اور عقلمند انہیں صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوگا۔ پہلا دعوے اس لئے باطل ہے۔ کہ اقلیت اور اکثریت میں جھگڑا اقلیت اور اکثریت کے سبب سے نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض ایسے اسباب کی وجہ سے ہوتا جو دونوں کو مد مقابل پر لاکر عداوت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ اسباب پیدا ہو تو خواہ اقلیت بڑی ہو یا چھوٹی۔ اکثریت اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہے

اقلیت اور اکثریت کے ٹکرائے کے اسباب

ان مختلف اسباب میں سے جو اقلیت اور اکثریت میں ٹکراؤ کر دیتے ہیں۔ سندرہ ذیل اسباب بڑے بڑے ہیں (۱) اقلیت قریب زبانیں بولنے والی ہو۔ اور اس لئے اکثریت پر ظلم کئے ہوں۔ یا اکثریت کو یہ یقین دلادیا گیا ہو۔ کہ اس نے ظلم کئے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں اکثریت کے ذہن پر یہ بات غالب ہوتی ہے۔ کہ ہم نے ان لوگوں سے پچھلے بدلے لینے میں (۲) اقلیت اپنی تہذیب اور اپنے تمدن میں اکثریت سے اعلیٰ اور اس پر غالب ہو۔ اس صورت میں بھی اکثریت چاہتی ہے کہ اقلیت کو تباہ کر دے۔ کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر اسے ترقی کا موقعہ دیا گیا۔ تو وہ ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن کو تباہ کر دیگی۔ (۳) جب اقلیت میں کوئی ایسا امر پایا جائے۔ جو اسے اکثریت میں جذب ہوئیے مانع ہو۔ اس وجہ سے اکثریت کو خوف ہوتا ہے کہ ہمیشہ ملک میں دو پارٹیاں رہیں گی۔ اور کسی وقت بھی ہمیں میدان نہ ہوگا کہ اقلیت ہم میں جذب ہو کر ایک ہو جائیگی۔ یا جذب نہ ہوگی۔ تو کم سے کم ہمارے ساتھ سمجھوتی جائیگی۔ اور اس کے ممتاز ذات متکرمہ ظاہر میں ہم سے متحد ہو جائیگی۔ (۴) جب اقلیت میں ایسی طاقت پائی جائے جس کی وجہ سے اکثریت کو خوف ہو کہ اگر اسے روکا نہ گیا۔ تو یہ کسی وقت اکثریت ہو جائیگی۔ وہ جب اقلیت بنے آج کل کا حقدہ قرار دے

اور اس کی نظر کی حدود سے باہر نکل کر اپنے غیر ملکی نصیبوں پر پڑی ہو اس وقت اکثریت اقلیت سے خائف ہوتی ہے۔ کہ یہ لوگ کسی وقت غدار بن کر ہیں۔ اور انہیں دباننا چاہتی ہے۔ دو جب اکثریت اقلیت کی گری ہوئی تو اس کی حالت کی وجہ سے نفع حاصل کر رہی ہوتی ہے۔ اور خیال کرتی ہے کہ اقلیت کی

بیداری کی وجہ سے ہمیں نقصان پہنچے گا۔

یہ موٹی موٹی جھوٹا وجہ ہیں جن میں سے بعض یا تمام کے پائے جانے پر اکثریت اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ اور جن کی وجہ سے اقلیتوں کو بھی اکثریت سے خوف رہتا ہے۔ اب ان اسباب پر نظر ڈال کر اگر عقلمند خیال کر سکتے ہیں۔ کہ بڑی اقلیتوں کو چھوٹی اقلیتوں سے کم خطرہ ہو سکتی کوئی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقلیتوں کو خواہ وہ بہت ہی کم ہوں۔ خواہ اچھی تعداد میں ہوں۔ جب بھی اوپر کے حالات پیدا ہو جائیں کیساں خود ہوگا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جب اقلیت بہت ہی تھوڑی ہو مثلاً صرف ایک فیصدی یا دو فیصدی ہو۔ یا اس سے بھی کم ہو۔ تو اسے کوئی خطرہ ہوتا ہی نہیں کیونکہ اکثریت سمجھتی ہے کہ اس سے نقصان کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں میں سمجھوں۔ بدصوں پارسیوں وغیرہ کو جبکی مجموعی تعداد دس فیصدی بتائی گئی ہے۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خطرہ ہے۔ تو مسلمانوں کو جن کی نسبت نہرو لوگ یہ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ ایسا نہ ہو کہ کسی وقت یہ لوگ بڑھ کر ہم پر غالب بن جائیں

یورپ میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت

دوسرے ممالک میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی اور چھوٹی اقلیتوں میں فرق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں اقلیتوں کی حفاظت کیوقت یہ خیال نہیں کیا گیا کہ اقلیت بڑی ہے یا چھوٹی۔ مثلاً پولینڈ میں (اقلیتوں کی تعداد اٹھائیس فیصدی سے زیادہ ہے۔ مگر وہاں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ ریگوسلوواکیا میں جن میں ہی پچیس فیصدی کے قریب ہیں۔ اور باقی اقلیتوں کی تعداد ملا کر اقلیتوں کی کل تعداد چارمیں فیصدی کے قریب ہو جاتی ہے۔ مگر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ پس یہ کہنا کہ صرف چھوٹی اقلیتوں کی حفاظت کی جانی چاہیے۔ نہ صرف عقل کے خلاف ہے۔ بلکہ دنیا کے دستور کے بھی خلاف ہے۔ اور میں حیران ہوں۔ کہ نہرو کمیٹی نے کس طرح جوأت کی کہ اس عقل و نقل کے خلاف تصوری کو اس دلیری سے اپنی رپورٹ میں پیش کیا اس جگہ میں اس امر کے بیان کرنے سے نہیں رک سکتا کہ نہرو کے لئے ہر ایک امر دلیل بن جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ ہماری ہندوستان کی اکثریت یعنی ہندو صاحبان نہرو رپورٹ کے ذریعہ سے جس حقیقت کو ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ چھوٹی اقلیتوں کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ کہ بڑی اقلیتوں کو اور لکھتے ہیں کہ

”چھوٹی اقلیتوں کو حفاظت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ جو

سب بلکہ دس فیصدی بنتی ہیں۔“ (نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸)

اس کے مقابلہ میں استونیائی حکومت جو روس کی سابقہ حکومت سے الگ ہو کر بنی ہے۔ اور جس میں اقلیتوں کی تعداد دس فیصدی ہے (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۱۱۴) وہ لیگ آف نیشنز کے مطالبہ پر کہ ان کے ملک میں بھی اقلیتوں کی حفاظت کا قانون جاری ہونا چاہئے۔ لکھتی ہے کہ

”ہمارے ملک کی اقلیت۔ اتنی چھوٹی ہے۔ کہ اس کے حقوق کی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں۔“

(دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۵۴)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہندوستان کی اکثریت مسلمانوں کو ہلکا حفاظت کا حق نہیں دینا چاہتی۔ کہ ان کی تعداد اتنی کم نہیں کہ انہیں کسی حفاظت کی ضرورت ہو۔ ہاں دس فیصدی والی اقلیت حفاظت

کے لئے قوانین کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ لیکن استخوانیا کی اکثریت لکھتی ہے کہ ہمارے ہاں کی اقلیتوں کو کسی خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اتنی تھوڑی ہیں کہ صرف اس فیصدی ہیں۔ پس چونکہ اقلیت کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اس کی حفاظت کے لئے الگ قوانین بنائے جائیں۔ مگر ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ دونوں جوابوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اقلیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اکثریت اسے اس کا حق دینے پر راضی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر قسم کے بہانے بنا کر اسے تباہ کرنا چاہتی ہے۔

کیا یکساں قواعد تجویز کرنا انصاف کیلئے کافی ہے؟

اس اصل کو غلط ثابت کرنے کے بعد خوف کے لحاظ سے چھوٹی اور بڑی اقلیتوں میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ اب میں دوسرے دعوے کو لیتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ یکساں قواعد کا تجویز کرنا انصاف کے قیام کے لئے کافی ہے۔ میں نے اس دعویٰ کے لئے یکساں کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تاکہ اس لفظ میں انصاف اور مساوات دونوں مفہوم آجائیں۔ کیونکہ اس دعویٰ کی دو ہی شقیں ہیں۔ ایک یہ کہ سب کے لئے ایک ہی قانون ہو۔ تو اس سے انصاف قائم ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری شق یہ ہے کہ اگر دونوں فرقہ کی یکساں حفاظت رکھ لیا جائے اور قوانین ایسے ہوں کہ دونوں کی ضرورت کا خیال ان میں ہو۔ تو پھر کسی کو شکایت کا موقع نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ دونوں معنوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ نہ یہ درست ہے۔ کہ قوموں کے لئے ایک ہی قانون بنایا جائے۔ تو ان میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انصاف قائم ہو گیا ہے۔ اور نہ یہ کہنا درست ہے۔ کہ اگر دونوں قوموں کے حقوق کے ادا کرنے کے لئے ان کی ضرورت کے مطابق انصاف سے قواعد بنادے جائیں۔ تو ان کے حق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہیے۔

پہلی بات کہ جب سارے ملک کے لئے ایک قانون بنایا جائے۔ تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انصاف ہی چاہتا ہے۔ کہ سب سے یکساں سلوک ہو۔ اس لئے درست نہیں۔ کہ سب انسانوں کی حالت برابر نہیں ہوتی۔ نہ سب پر قانون کا ایک سا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ بعض پر زیادہ اور بعض پر کم۔ اور جب قانون کا اثر نمایاں طور پر ایک خاص گروہ پر پڑتا ہو۔ اور دوسری قوم پر اس کا اثر بالکل نہ پڑتا ہو۔ یا بہت کم پڑتا ہو۔ تو ایسا قانون ہرگز منصفانہ نہیں کہلا سکتا۔ مثال کے طور پر دیکھ لو۔ کہ اگر ہندوستان میں یہ قانون پاس کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعض میونسپل کمیٹیاں اب قریب قریب ایسا کر رہی ہیں۔ کہ گلے ذبح نہ کی جائے۔ تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ ہندوؤں کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی۔ اس لئے انصاف کے مطابق ہے۔ اس قانون کے متعلق یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ قانون برابر ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جائیگا کہ اس قانون کا مضر اثر کس پر پڑتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہندو تو خود ہی گائے نہیں

ذبح کرتا۔ پس تو اس قانون میں ہندو مسلمان کو برابر رکھا جائے۔ مگر اس کا اثر صرف مسلمانوں پر پڑیگا۔ یا مثلاً اگر پنجاب کی آئندہ حکومت یہ قانون پاس کر دے کہ زمین سب گورنمنٹ کی ہوگی۔ یا سندھ میں ایسا قانون بن جائے تو گواس کا کچھ اثر ہندوؤں پر بھی پڑیگا۔ لیکن زیادہ تر اس کا اثر مسلمانوں پر ہی پڑیگا۔ اور انہیں کو نقصان پہونچےگا۔ یا مثلاً تجارت پر اگر زیادہ ٹیکس لگا دیا جائے۔ جس سے تجارت کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ تو کوئی نہ کہیگا۔ کہ اس کا اثر مسلمانوں پر بھی برابر پڑتا ہے۔ ہر عقلمند سمجھ لیگا کہ اس قانون کا اصل مقصد ہندوؤں کو نقصان پہونچانا ہے۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ جب یکساں قواعد بن جائیں۔ تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ ایک ایسی گھر میں جس میں بچے بھی ہوں۔ اور بڑے بھی۔ اگر ایسی غذا یکساں دی جائے۔ جسے صرف بڑے کھا سکیں۔ اور کہا یہ جائے کہ انصاف کر دیا گیا ہے تو کونسی تسلیم نہیں کرے گی کہ انصاف کر دیا گیا ہے۔ یا ایک میلے میں جہاں لاکھوں آدمی کا ہجوم ہو اگر کوئی شخص ایک چھوٹے بچے کو چیلانے لگے کہ سب میں برابری چاہیے۔ تو کوئی تسلیم نہیں کرے گی کہ انصاف ہو گیا ہے۔ انصاف اور برابری نہیں ہوگی۔ کہ جب اس بچے کی طاقت کے مطابق انتظام کیا جائے۔ اسے گودی میں اٹھا کر چلو۔ پھر انصاف قائم ہوگا۔ اور بچوں کے لئے ان کی عمر کے مطابق غذا تیار کر دو۔ پھر انصاف قائم ہوگا۔

عقلاً اس امر کو ثابت کر چکے کے بعد کہ ایک قسم کا قانون ضروری نہیں۔ کہ انصاف کے مطابق بھی ہو۔ بلکہ بہت دفعہ اس سے بے انصافی پیدا ہوتی ہے۔ میں اب یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ صرف خیال ہی نہیں ہے۔ بلکہ عملاً دنیا میں ایسا ہو رہا ہے کہ لوگ بظاہر ایک سا قانون بنا کر بعض اقوام کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ چنانچہ ایسٹ افریقہ کے داخلہ کے متعلق جب قواعد بنائے گئے ہیں۔ تو اسی وقت سارے ہندوستان میں شور مچ گیا تھا کہ گو بظاہر یہ قانون سب کے لئے یکساں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل غرض اس کی یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو نقصان پہونچے۔ اسی طرح زیمبوسلویا کی نئی حکومت میں یہ قانون پاس کیا گیا تھا۔ کہ جس کے پاس پانچ سو ایکڑ سے زیادہ زمین ہو ضبط کی جائے۔ اور دوسرے لوگوں کو دیدی جائے۔ اب بظاہر یہ قانون نہایت انصاف پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل غرض اس کی یہ تھی کہ جرمن لوگ جو جنگ سے پہلے یہاں کے بڑے بڑے زمیندار تھے انہیں نقصان پہونچایا جائے۔ رک لوگ زیادہ تر غناہ دار تھے۔ پس اس قانون سے رکس کو بہت کم نقصان کا احتمال تھا۔ حالانکہ بظاہر قانون منصفانہ تھا۔ چنانچہ اس پر جرمنوں نے بہت کچھ شور مچایا۔ مگر ان کی حکومت نے سنی نہیں۔ یہی جواب دیتی رہی۔ کہ ہم نے انصاف کا قانون بنایا ہے۔ جیسا کہ اس قانون سے نقصان ہے۔ ویسا ہی اور قوموں کو ہندی پرڈیکشن آف مائنارٹیز منصفہ ایل بی میٹر ایم۔ اسے مسئلہ اسی طرح رو مانیا نے ٹرنسولونیائی صوبے میں کیا۔ جس میں کہ گیارہ قوم کی زمینیں زیادہ تھیں۔ ہندی پرڈیکشن آف مائنارٹیز منصفہ

پس تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے کہ ایک قانون سب کے لئے یکساں بنایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی خاص قوم کو اس سے نقصان پہونچ جائے۔ یا یہ کہ وہ اپنا حق نہ لے سکے۔

میری اس رائے سے ایل۔ پی میٹر کی رائے بھی متفق ہے۔ وہ لکھتی ہیں:-

۱۹۱ "اقلیتوں پر ظلم ایک ظالم اور ناقص طریق سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ قتل اور ملک سے نکال دینے کے طریق ہیں۔ لیکن یہ بات زیادہ تھوڑی طریقوں سے بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ جن میں سے (اکثریتوں میں) زیادہ مقبول مادری زبان کے آزادانہ استعمال سے روک دینے کا طریق ہے۔ تعلیم کے قوانین تجارت کے قوانین اور انصاف کے قائم کرنے کے قوانین اس مقصد کو پورا کرنے کے بڑے کھلے کھلے ذرائع ہیں۔"

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اکثریتیں اقلیتوں پر ہندو بائبل پر ظلم کرتی ہیں۔ اور ایسے قوانین بنا کر نقصان پہونچاتی ہیں۔ جو بظاہر یکساں ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا نتیجہ صرف ایک قوم کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

پس ہندوستان کا قانون اساسی بتاتے وقت صرف یہ دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ کہ قوانین ہندو مسلمانوں کیلئے برابر ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھنا ہوگا۔ کہ ان قوانین کا ہندوؤں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور مسلمانوں پر کیا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بظاہر برابر نظر آنے والے قوانین باطن میں مسلمانوں کے لئے مضر ہیں۔ خواہ اس لحاظ سے کہ مسلمانوں کو ان سے کوئی نقصان پہونچتا ہے۔ خواہ اس لحاظ سے کہ ان کی وجہ سے مسلمان اپنے جائز حقوق کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تو ان کا بدلنا ضروری ہوگا۔

صرف صحیح قانون بنا دینا قیام انصاف کیلئے کافی نہیں

دوسرے پہلو اس سوال کا یہ ہے۔ کہ اگر ایسا قانون بنا دیا جائے کہ جس میں ہر قوم کی ضرورت کا لحاظ رکھا جائے۔ تو کیا یہ کافی نہ ہوگا۔ اور کیا اس سے انصاف قائم نہ ہو جائیگا۔ میرا جواب اس سوال کے متعلق بھی یہی ہے۔ کہ ہرگز نہیں۔ کوئی قوم صرف یا انصاف قوانین کے پاس ہو جانے سے محفوظ نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے لئے دو اور باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱) اس انتظام کی کہ اس قانون پر عمل کرتے وقت بھی اس امر کی نگرانی ضروری ہوگی کہ اس قانون پر اس کے غشاء کے مطابق عمل کیا جاتا ہے یا نہیں؟ بہتر سے بہتر قانون پر اگر عمل نہ کیا جائے تو اس سے کیا فائدہ ایک ڈاکٹر ہسپتال میں کونین کے ڈبے رکھ چھوڑے لیکن مر لیتوں کو نہ دے۔ تو انہیں کیا نفع ہوگا۔ قانون اپنی ذات میں کچھ بھی چیز نہیں۔ عمدہ قانون کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح استعمال بھی کیا جائے۔ قانون کا صحیح نتیجہ اس کے صحیح استعمال پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اگر اقلیتوں کے

میں دیکھتا ہوں۔ کہ یورپ کی نئی حکومتوں میں جو جنگ کے بعد قائم ہوئی ہیں۔ اقلیتوں کی حفاظت کے لئے دونوں اور کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس امر کا بھی کہ قانون کا صحیح استعمال ہو۔ اور اس امر کا بھی کہ قانون کو بدلانہ پاسکے۔ اور اہل کا انتظام ایک نو یہ کیا گیا ہے۔ کہ لیگ آف نیشنز کو حق دیا گیا ہے کہ وہ ایک اور کی اپیل سن سکے۔ جو قلیل التعداد جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اگر قلیل التعداد جماعتوں کی طرف سے کوئی شکایت ہو۔ نئے تو لیگ کونشن مقرر کر کے دیکھ لینی ہے۔ کہ آیا وہ

مسلمانوں کے مطالبات

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبات مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ ہندوستان کی آئندہ حکومت فیڈرل اصول پر ہو۔ یعنی صوبہ سے مرکزی حکومت کو اختیار ملیں۔ نہ کہ مرکزی حکومت سے صوبہ جات کو۔ اور سوائے ان امور کے جن میں مشترکہ حکومت کا کام چلائے گئے لے صوبہ جات اپنے اختیارات مرکزی حکومت کو دیں۔ باقی سب اختیارات صوبہ جات کے پاس رہیں۔

۲۔ صوبہ سرحد کی کو ویسی ہی با اختیار حکومت دی جائے جیسی کہ اور صوبوں کو اور سندھ اور بلوچستان کو آزاد کر کے انھیں بھی ویسی ہی آزاد حکومت دی جائے۔

۳۔ ہر قوم کو اس کی تعداد کے مطابق حق نیابت مقامی مجالس میں دیا جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ کسی قوم کی تعداد دوسری قوم کے مقابل پر بہت تھوڑی ہو۔ اس صورت میں اس کی اصل تعداد سے کسی قدر زیادہ حق سے دیدیا جائے۔

۴۔ مرکزی حکومت میں مسلمانوں کو ان کے موجودہ حق سے کسی صورت میں کم نہ دیا جائے۔ بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک ثالث نیابت کا حق انھیں دیا جائے۔

۵۔ انتخاب کا طریق قومی ہو۔ یعنی ہر ایک قوم اپنے نمائندے خود چنے۔ اور بعض کا مطالبہ یہ ہے کہ اگر اوپر کے چار مطالبات کو پورا کر دیا جائے۔ تو ان پر عملدرآمد ہونے کے بعد مخلوط انتخاب محفوظات مشترک کے ساتھ جاری کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ مذہب مذہب کی تبلیغ یا مذہب کی تبدیلی میں حکومت کی ممت کا دخل نہ دے۔ اور مذہب یا تمدن و تہذیب کے متعلق کوئی ایسا قانون پاس نہ کرے جس کا اثر کسی خاص مذہب کے لوگوں پر ہی ملے طور پر یا زیادہ طور پر پڑتا ہو۔

ان مطالبات کے صحیح عمل درآمد کو دیکھنے کے لئے یہ بھی مطالبات مسلمانوں کی طرف سے تھے کہ:

البتہ۔ مختلف اقوام کو ان کی تعداد کے مطابق ملازمتوں میں حصہ دیا جائے۔

۷۔ قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے ایسے قوانین بنائے جائیں کہ قلیل القداد کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو فیصلہ ہو۔ اسے بغیر قلیل القداد جماعتوں کی مرضی کے تبدیل نہ کیا جاسکے۔

۸۔ زیکو سلو ویکا قانون اساسی مطالبہ کرنے کے بعد اور یہ دیکھ کر کہ وہاں کے حالات بہت کچھ ہندوستان سے ملتے ہیں۔ اور ہر پچھلے چند ہفتوں کی ہندوؤں کی کشمکش کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک یہ قاعدہ بھی ہونا چاہئے کہ کسی صوبہ کی حدود کو تبدیل کرنے کا حق مرکزی صوبہ کو نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا فیصلہ خود اس صوبہ سے ہی ملے رکھیں گے

ان مطالبات کے گنوائے کے بعد میں ایک ایک مطالبہ کو الگ الگ لیکر اس امر پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ مطالبات اول جائز ہیں۔ یا نہیں۔ دوم ضروری ہیں۔ یا نہیں۔ کیونکہ حقوق کے فیصلہ کے وقت یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اول وہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ جو مطالبہ جائز ہی نہیں۔ اس کا پیش کرنا ہی غلط ہے

کسی کا حق نہیں۔ کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے دوسرے کو اس کا حق چھوڑنے پر مجبور کرے۔ دوسرے یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آیا وہ مطالبہ ضروری ہے۔ یا نہیں۔ کیونکہ جب تک یہ فیصلہ نہ کر لیا جائے۔ کہ مدعی کو اس کا مطالبہ دینے میں مدعا علیہ کا کیا نقصان ہے اور نہ دینے میں مدعی کا کیا نقصان ہے۔ اس وقت تک صحیح نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور یہ اوقات ایسے شخص سے قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ قربانی تسلیم کرتا ہے۔ اور اس شخص کو فائدہ پہنچا دیا جاتا ہے۔ جو آگے ہی بہت کچھ لے چکا ہوتا ہے۔

مسلمانوں کو خاص حفاظت کی ضرورت

میں سمجھتا ہوں کہ ان اصول کے ماتحت پہلے میں اس سؤل پر اصولی غور کرنا چاہیے۔ کہ کیا ہندوستان کی موجودہ حالت اس قسم کی ہے کہ مسلمانوں کو کسی خاص حفاظت کی ضرورت ہو۔ اور انہیں ایک علیحدہ اقلیت کی صورت میں رہنے دینا ناگزیر ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے تو ہر ایک شخص اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ان کو اس وقت خاص حفاظت کی ضرورت ہے۔ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ ان وجوہ میں سے جو کسی اکثریت کو اقلیت پر ظلم کرنے پر مائل کرتے ہوں۔ بڑے بڑے وجوہ چھ ہیں۔ پس ان میں یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ وجوہ اس وقت پائے جاتے ہیں۔ یا نہیں۔

پہلی وجہ

اول وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ اقلیت اس ملک میں پہلے حاکم رہ چکی ہو۔ اور یا تو عملاً ظلم کر چکی ہو۔ یا اکثریت کو یہ دھوکا لگ گیا ہو۔ یا دھوکا دیا گیا ہو۔ کہ اقلیت اپنے زمانہ اقتدار میں اس پر ظلم کرتی رہی ہے۔ ایسی صورت میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اکثریت اپنے برسر اقتدار ہونے پر حقیقی یا خیالی مظالم کا بدلہ اقلیت سے لیتی ہے۔ چنانچہ قدیم تاریخ کی مثالوں میں سے یہ صوں کی مثال موجود ہے۔ کہ انہیں ہندوؤں نے بالکل تباہ کر دیا۔ سپین کے مسلمانوں کی مثال موجود ہے۔ کہ انہیں سچیوں نے تباہ کر دیا۔ زمانہ عافہ میں دوسرے ممالک کی مثالوں میں سے یونان۔ سرویا۔ رومانیہ اور بلغاریہ کی مثال موجود ہے۔ کہ ان علاقوں میں ترکوں پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً سخت سے سخت ظلم ہونے لگا ہے۔ بعض اس وجہ کی بنا پر کہ ترک اپنے زمانہ اقتدار میں ان کے آباد و اجداد سے ظلم کرتے رہے ہیں۔ پولینڈ میں جو مسلمانوں سے بدسلوکی ہو رہی ہے۔ کیونکہ ایک حصہ پولینڈ کا جرمنی کے ماتحت تھا۔ زیکو سلوکیا میں جو سن زمیندار سے اسی وجہ سے سختی ہو رہی ہے۔ رومانیہ میں گلیار قوم سے زیکو سلوکیا میں آسٹریز اور گلیار سے اٹلی میں آسٹریز سے ظلم ہو رہا ہے۔

یہ مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اور ہیں تباہی میں کہ حقیقی یا دھمی ظلموں کی بنا پر ایک قوم دوسری قوم کو تباہ کیا کرتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی ذہنی حالت ہندوؤں کی بھی ہے۔ اول تو انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے مسلمان بادشاہوں

کو تاریخ میں نہایت خطرناک صورت میں پیش کیا ہے۔ تاکہ لوگ ان کی یاد کو بھول کر انگریزی حکومت سے وابستہ ہو جائیں۔ دوسرے اب تمام ہندو اپنی قومیت کو مضبوط کرنے کے لئے پورے پورے شاذ و نادر صحیح لیکن اکثر جھوٹے اور مفتر باند الزامات مسلمان بادشاہوں پر لگا رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو یہ یقین دلا رہے ہیں۔ کہ ان کے مذہب۔ ان کی تہذیب اور ان کے تمدن اور ان کی علمی ترقی کو مسلمانوں نے آ کر بالکل تباہ کر دیا ہے اگر وہ نہ آئے۔ تو آج ہندو نہ معلوم کیا سے کیا ہوتے۔ بہت سے ہندو غریب اور ہندو عورتوں کے سینے آج مسلمانوں کے دہی مظالم کے خلاف غیظ و غضب کی آگ سے جل رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کا واحد ذمہ وار مسلمانوں کو سمجھتے ہیں۔ وہ ان کی تباہی پر اپنی قومی ترقی کی بنیاد رکھنا بالکل جائز خیال کرتے ہیں۔ اس تعصب کی حالت جہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اس کا کسی قدر نقشہ اس مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ میرے ایک رشتہ دار نے ایک استانی اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے رکھی ہے۔ وہ مذہباً مسیحی ہے۔ لیکن تسلماً ہندو ہے۔ اور میسور کی رہنے والی ہے۔ اس کا یہ حال ہے۔ کہ تاریخ میں اگر کسی حکم کسی مسلمان بادشاہ کا ذکر آجائے تو وہ ان صفوں کو چھوڑ جاتی ہے۔ اور جب بچے زور دیتے ہیں۔ تو یہ جواب دیتی ہے۔ کہ میں خوب جانتی ہوں کہ پہلے کو کتنا حد تک تباہ کر چکا ہے۔ اور بعد میں کونسا۔ یہ حالت ایک عورت کی ہے۔ اور ایسی عورت کی جو خوب تعلیم یافتہ ہے۔ اور کئی دفعہ ولایت ہوا کرتی ہے اسی پر قیاس ہندو قوم کے بہت سے افراد کا کیا جاسکتا ہے۔ یہ جوش و خروش ہندو قوم کا مردہ بادشاہوں کے خلاف کیوں ہے؟ کیا اپنی قوم کو بے ارادہ کرنے کے لئے نہیں؟ اور اس ذریعہ سے جو بیداری پیدا ہو گئی۔ کیا مسلمان اس کے نتائج سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں یقیناً نہیں۔ اور اس وجہ سے وہ حق بجانب ہیں کہ ایسے قوانین کا مطالبہ کریں۔ جن سے ان کی قومی زندگی تباہی سے بچ جائے۔ اور اس کی ذمہ داری ایک حد تک انگریزوں پر اور ان سے زیادہ خود ہندوؤں پر ہے۔

۱۹۲

دوسری وجہ

دوسری بات جس کی وجہ سے اکثریت اقلیت کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ اقلیت اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی وجہ سے اکثریت سے اعلیٰ ہو۔ ایسی صورت میں اکثریت چونکہ اقلیت سے خائف ہوتی ہے۔ وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ ہندو مسلمان سوال میں یہ صورت بھی پیدا ہے۔

مجھے اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ حالت کیوں پیدا ہے۔ لیکن اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تہذیب اور تمدن کے اصول کے لحاظ سے مسلمانوں کو ہندوؤں پر برتری حاصل ہے۔ ان میں چھوٹ چھات نہیں ہے۔ ان میں ایک حد تک قومی مساوات ہے۔ ان میں شادی بیاہ کی رسومات ہندوؤں کی نسبت بہت کم ہیں۔ بیوہ کی شادی کا دستور بھی بہت حد تک باقی ہے۔ غرض ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی بنیاد ہندوؤں سے بالکل الگ اصول پر ہے۔ اور ہندو سمجھتے ہیں کہ نہ تو اس تہذیب اور تمدن کو ہم کچل سکتے ہیں۔ اور نہ اس کی موجودگی میں ہم اپنی قدیم روایات کے مطابق ترقی کر سکتے ہیں۔ پس اس حالت میں خوف ہے کہ وہ اسلامی تہذیب اور تمدن کی آزاد نشوونما کے راستہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

تیسری وجہ

تیسرا سبب جو اکثریت کو اقلیت پر ظلم کرنے کی طرف رغبت کرتا ہے۔ یہ ہے کہ اقلیت دائمی اقلیت ہو۔ یعنی اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو اسے اپنی جگہ تبدیل کرنے سے مانع ہو۔ اس صورت میں اکثریت یہ خیال کرتی ہے کہ چونکہ اس اقلیت کو ہم جذب نہیں کر سکتے۔ آؤ اسے ہم مشا دیں۔ یہ وجہ بھی اس وقت موجود ہے۔ اسلام ایک ایسا ممتاز مذہب ہے جس نے سیاست تمدن اخلاق اور معاملات کے لئے ایک ممتاز اور مستقل دستور ہمیں پیش کیا ہے۔ پس مسلمان دوسری اقوام کی طرح ان مسائل کے متعلق جن پر اسلام نے روشنی ڈالی ہے۔ سمجھو نہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ دوسرے گارنگ قبول کر سکتا ہے۔ عام طور پر اکثریتوں کو جب یہ یقین ہوتا ہے کہ اقلیت کو اس کی جگہ پر باندھ رکھنے والی کوئی چیز نہیں۔ تو وہ امید کرتی ہے کہ کچھ عرصہ میں یا تو اقلیت ہم میں جذب ہو جائیگی۔ یا پھر کھو جی جائیگی۔ یعنی بعض باتیں اپنی چھوڑ دیگی۔ اور بعض ہماری مان لیگی۔ جیسا کہ مثلاً پرانے زمانہ میں ہندوستان میں ہوا کہ یاہر سے آنے والی اقوام نے ہندوؤں کے دیوتاؤں کو قبول کر لیا۔ اور ہندوؤں نے ان کے بعض معبودوں کو قبول کر لیا۔ اسی طرح یاہر سے آنے والی اقوام نے ہندوؤں کے سب سے بڑے تمدنی دستور یعنی توہیت کے اصول کو تسلیم کر لیا۔ اور چاروں درجوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ اسلام کی موجودگی میں مسلمان ایسا نہیں کر سکتے۔ پس ہندو یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اسلام ہے۔ اس وقت تک تمدن اور تہذیب میں مسلمانوں کا ہمارا زیادہ تسلیم کرنا ناممکن ہے۔ پس لازماً وہ یہ کوشش کریں گے کہ وہ اب بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یا ہندوستان سے نکال دیں۔ یا اپنے ساتھ شامل کر لیں۔

چوتھی وجہ

چوتھی چیز جو اکثریت کو اقلیت کا دشمن بنا دیتی ہے۔ یہ ہے کہ اقلیت میں کوئی بڑے والی طاقت موجود ہو۔ اور اکثریت کو یہ خطرہ ہو کہ کسی وقت وہ اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس وجہ سے وہ اقلیت کو ظالمانہ قوانین سے مشائے کی کوشش

کرتی رہتی ہے۔ یہ سبب بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ اسلام ایک زبردست تبلیغی مذہب ہے۔ وہ اپنی کمزوری کے ایام میں بھی اپنی تعداد بڑھاتا رہا ہے۔ پچھلی مردم شماریاں اس امر پر شاہد ہیں کہ اسلام نہ صرف لفظاً بلکہ تبلیغی طور پر بھی بڑھ رہا ہے۔ پس یہ بات ہر اک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہندو قوم اس حالت کو جاری نہیں رہنے دے سکتی۔ اسے اگر اختیارات مل جائیں۔ تو وہ پورا زور لگائیں گی کہ جس مقصد کو وہ مذہبی تبلیغ سے حاصل نہ کر سکے۔ وہ اسے جابرانہ قانون سے حاصل کرے۔ اور طاقت حاصل ہونے پر اس غرض کے لئے سینکڑوں تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ جو بظاہر منصفانہ بھی ہوں۔ اور ان سے یہ مقصد بھی پورا ہو جائے۔ پس مسلمانوں کے لئے خود حفاظتی ضروری ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہیں پڑتا کہ پارٹی سسٹم نو اکثریت اور اقلیت کے مقابلہ پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ اور باوجود اس کے اکثریت اقلیت کو تباہ نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اکثریت اور اقلیت تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ آج ایک اکثریت جو اقلیت ہے۔ کل وہ اقلیت ہو جاتی ہے۔ اور پھر اکثریت بن جاتی ہے۔ اس صورت میں چونکہ ہیر پھیر ہوتا ہے۔ دشمنی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اس اقلیت اور اکثریت کا سوال ہے جو سیاسی مسائل پر مبنی نہیں۔ بلکہ مذہب پر اس کی بنیاد ہے۔ ایسی پارٹیوں میں روزانہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ ایک مذہب اگر زبردست ہے۔ تو اکثریت کو اقلیت بنا دینے کے بعد وہی ملک پر ہمیشہ کے لئے قابض ہو جائے۔

پانچویں وجہ

پانچواں سبب جس کے باعث اکثریت اقلیتوں پر ظلم کیا کرتی ہے۔ اقلیتوں کا غیر ملکی لوگوں سے تعلق ہے۔ اکثریت چاہتی ہے کہ ملک کے سب لوگ اسی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اور ملک کے باہر کسی قوم پر دو تہ نگہ نہ ڈالیں۔ لیکن اقلیت اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ملک کے باہر کی بعض اقوام سے بھی تعلق رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اس حالت میں اکثریت ہمیشہ اس سے مشتبہ رہتی ہے۔ اور ڈرتی ہے کہ کسی وقت غیر ملکیوں سے ملکر یہیں نقصان نہ پہنچا دیں۔ اور اس شبہ کی وجہ سے اقلیت کو نقصان پہنچانے پر تلی رہتی ہے۔ اس قسم کے واقعات دنیا میں کثرت سے ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یونانی حکومت میں بلغاریوں کے ساتھ اسی بنا پر ظلم ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح لیتھونیا میں پولز اور پولینڈ میں لیتھونز کے ساتھ یہ سبب بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ مسلمان اپنی مذہبی روایات کی بنا پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور شدت سے ان کی مضامب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور یہی حال باہر کے مسلمانوں کا ہے۔ گو ایک دوسرے کی مصیبت میں مدد دینے لیکن ان سے متاثر ضرور ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی ہمدردی کرتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہندوستان کی اکثریت ضرور ان سے مشتبہ رہے گی۔ اور ان کی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ بنیگی۔

بلکہ اب بھی ہندو عام طور پر شاکی نظر آتے ہیں۔ کہ مسلمان اپنے آپ کو پورے طور پر ہندوستانی نہیں سمجھتے۔ بلکہ غیر ملکیوں سے بہت راہ در رسم رکھتے ہیں۔ گو وہ اس وقت منہ سے نہیں کہتے۔ لیکن ان کے دل میں یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ کل کو اگر افغانستان ایران یا عرب سے ہندوستان کی جنگ چھڑی۔ تو مسلمان کیا کریں گے۔ کیا یہ سرحد پار کے مسلمان بھائیوں کی تائید نہیں کریں گے۔ اگر ایسا کریں گے۔ تو یقیناً ہندوستان کی حکومت میں ہمیشہ ایک کمزور عنصر موجود رہے گا۔ اب یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ایسا موقع پیش آئے تو مسلمان کیا کریں گے لیکن یہ شبہ جس کا اظہار کئی دفعہ ہندو لیڈر کر چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں ضرور گھٹکتا رہے گا۔ (اور اس کی بنا پر وہ مسلمانوں کی ترقی میں روڑا اٹکائے گا) جب الوطنی کا ایک اعلیٰ فعل خیال کریں گے۔ میں اس سوال کے بارے میں اس حد تک تو ہندوؤں سے متفق ہوں کہ جب الوطنی کے جذبات کو انصاف کی حدود کے اندر بڑھاتا ملکی حکومت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن میں یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مسلمان اپنے اس وسیع جذبہ محبت کو جو وہ کل دنیا کے مسلمانوں سے رکھتا ہے۔ کس طرح دور کر سکتا ہے۔ وہ صدیوں سے اسے ورثہ میں مل رہا ہے۔ اور درحقیقت وہ اب اس کی طبیعت ثنائی بن گیا ہے۔ اور پھر انصاف کی شرط جو جب الوطنی کے ساتھ میں نے لگائی ہے۔ اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کل کو ہندوستان عرب پر آدم کا جھنڈا کھڑا کرنے کی نیت کرے۔ جیسا کہ آریہ لیڈر کہہ چکے ہیں۔ تو یقیناً مسلمان اس وقت اپنی اعلیٰ ذمہ داریوں کو ملکی ذمہ داری پر قربان نہیں کر سکیں گے۔

چھٹی وجہ

چھٹا سبب جو اکثریت کو اقلیت کے دبا دینے یا دبا کر رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ ہے کہ اکثریت اقلیت کی گری ہوئی اقتصادی حالت سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔ اور خیال کرتی ہو کہ اقلیت کی بیداری سے اسے نقصان پہنچے گا۔ پس وہ ہمیشہ کوشش کرتی ہے کہ اقلیت غافل رہے۔ یہ وجہ بھی اس وقت پیدا ہے جس طرح یورپ کی بہت سی دولت ایشیا کی غفلت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کی بہت سی دولت مسلمانوں سے براہ راست یا بالواسطہ آتی ہے۔ مسلمان تاجر نہیں۔ اس لئے سب تجارت کا نفع ہندو اٹھا رہے ہیں۔ مسلمان کارخانہ دار نہیں۔ اس لئے صنعت و حرفت کا نفع بھی ہندو ہی اٹھا رہے ہیں۔ مسلمان اعلیٰ پیشہ و نہیں اس لئے اعلیٰ پیشوں کا فائدہ بھی ہندو ہی حاصل کر رہے ہیں۔ جیسے مثلاً ڈاکٹر انجینئر وغیرہ مسلمان نہیں۔ پس بینک کے نفع کو بھی ہندو ہی حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمان ٹھیکیدار نہیں۔ پس ٹھیکیداری کے منافع بھی ہندوؤں کو ہی پہنچ رہے ہیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کم ہے۔ پس گورنمنٹ کے عہدے بھی ہندوؤں کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ مسلمان تعلیم میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ پس یونیورسٹیوں سے بھی ہندو ہی فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ غرض ہر اک اقتصادی میدان میں مسلمان ہندوؤں سے پیچھے ہیں اور

پیغام صلح خود کوں حموش ہے

غیر مبایعین گنہگار اصحاب کے متعلق قوی شہادت ہیں کہ انہوں نے اراکین انجمن اشاعت اسلام کا کچا چٹھا والا مضمون لکھا۔ انہیں ڈھونڈ کر ڈھونڈ کر اس قسم کے اعلان کر رہے ہیں کہ انہوں نے وہ مضمون نہیں لکھا۔ یہ اعلان کرنے کے بعد کہ مضمون نگار کا مفصل جواب آئندہ اشاعت سے شروع کیا جائیگا۔ خود اس باکوں تباہ حال قطعاً حموش ہے۔ پیغام صلح کو چاہیے۔ ادھر ادھر کی غیر متعلق تحریریں شائع کرنے کی بجائے خود تفصیلی جواب پیش کرے جس کیلئے نئی بارہم اسے موقع بھی دے چکے ہیں۔

سیلاب زدگان کی امداد ۱۹۲۵

الفضل کے کسی گذشتہ پرچہ میں حکومت پنجاب کو توجہ دلائی گئی تھی کہ جو لوگ دریائے جہلم۔ چناب۔ راوی کی طغیانیوں سے بہت بری طرح برباد ہوئے ہیں۔ ان کی معقول امداد کا اہتمام کیا جائے۔ یہ امر موجب طمانیت ہے کہ حکومت نے اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ سرکاری محکمہ اطلاعات پنجاب نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ حکومت نے آٹھ لاکھ روپیہ بطور تقاضی تقسیم کرنے کے لئے کثرت صاحبان متعلقہ کے سپرد کیا ہے۔ اور صوبائی سرمایہ امداد چھ لاکھ ایکس ہزار کی رقم منظور کرنے کے علاوہ حکومت ہند کے پاس بھی ایک درخواست بھیجی ہے کہ انڈین پیپلز پیمنٹ ٹرسٹ فنڈ سے سیلاب زدگان پنجاب کی امداد کی جلتے ہنز زمین کے رگان کی معافی والوں کے بارہ میں بھی مناسب کارروائی کا وعدہ کیا ہے۔ چارہ کی درآمد کے لئے کرایہ میں رعایت کی گئی ہے۔ محکمہ صحت عامہ نے سیلاب زدہ علاقوں میں کوئین تقسیم کرنے کا انتظام کیا ہے۔

بائیں ہر حکومت پنجاب اس امر کی معترف ہے کہ ان وسیع الاثر طغیانیوں سے جس ہولناک تباہی و بربادی کا سامنا لوگوں کو کرنا پڑا ہے۔ اسے مد نظر رکھتے ہوئے یہ امداد کافی نہیں۔ کئی علاقوں میں آمدورفت کے وسائل منقطع ہو جانے کے باعث ابھی تک نقصان کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکا۔ لیکن جہاں تک معلوم ہو سکا ہے۔ یہ ہے کہ سیلاب زدہ رقبہ میں تقریباً ۱۶۰۰ مکانات سات ہزار کے قریب موشی پانچ ہزار من بھوسہ دارانی ہزار من غلہ نذر سیلاب ہو گیا ہے۔ اور پچیس ہزار ایکڑ زمین میں جو فصل خریعت بوی گئی تھی۔ وہ بھی تباہ ہو گئی ہے۔ اس پر مزید معصیت یہ ہے کہ موسم سرما کا آغاز ہو رہا ہے۔ اور ان معصیت زدہ لوگوں کے لئے مکانات اور بارچات کا کوئی انتظام نہیں۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دیگر واس سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک امدادی فنڈ جاری کیا گیا ہے۔ ذی استطاعت اصحاب کو چاہیے کہ ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے فراخ دلی سے اس فنڈ میں چندہ دیں جن لوگوں کو ان طغیانیوں سے نقصان پہنچا ہے۔ انہیں اپنے اہلکار کے ذمہ کثرت صاحبان کی درگاہ سے امداد کے لئے درخواست کرنی چاہیے۔

ماخت اگر فوراً نالائق ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک انگریز افسر کے بیچ جا کر لائق بن جاتا ہے۔ ہم پنجاب میں بھی اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ نہایت لائق مسلمان جن کی انگریز افسروں نے بے حد تعریف کی تھی۔ ہندو افسروں کے ماتحت آکر بالکل نالائق بن گئے۔ بعض ہندو مسلمانوں کو بے وقوف بنائے کیلئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ انگریزوں کا حال ہے۔ وہ ہمیں آپس میں لڑاتے ہیں۔ مگر یہ سچ جتنا ہوں کہ دیکھا یہ چاہیے کہ اس کارروائی میں ہندوؤں کا فائدہ ہے یا انگریزوں کا اگر ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ انگریزوں کو دے دیں۔ دوسرے یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا عقل اسے یاد کر سکتی ہے کہ انگریز اس غرض کیلئے ہندوؤں کو ہی اپنا آڈ کار بناتے ہیں۔ کیسی مسلمانوں کو یہ سبق نہیں پڑھاتے کہ ہندوؤں کو نالائق قرار دیکر نکالنے کی کوشش کر دیتے۔ کئی گورنمنٹ افسر بعد میں قومی لیڈر بن گئے ہیں۔ کیا انہیں سے کوئی شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ اسے انگریز کہا کرتے تھے۔ کہ تو ہندوؤں کو نالائق قرار دے۔ اور مسلمانوں کو نالائق بنا کر نکال دے گا۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ یہ مرض اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب بعض ہندو افسر بڑے مسلمان امیدوار کو کہہ دیتے ہیں کہ تم پر کوئی کیس کھڑا کروں۔ یا یونہی اپنی مرضی سے فلاں عہدہ سے دست بردار ہو۔ ویدوگے میرے پاس ایسی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن افسوس کہ اس کا علاج موجود نہیں۔

یہی حال تعلیمی محکموں میں ہے۔ تعلیم کے دروازے مسلمانوں کیلئے بند کئے جاتے ہیں۔ مسلمان زیادہ فیل کئے جاتے ہیں۔ بعض فنون کے پروفیسر صحت کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں پاس نہیں ہونے دینا۔ اور ادراں امتحان میں فیل کر دیتے ہیں۔ گورنمنٹ وظیفہ لیا لیتا طالب علم جسوقت آخری منزل پر پہنچتا ہے۔ اس کا کیرئیر تباہ کر دیا جاتا ہے۔ مسلمان دوکانداروں سے ہندو سودا نہیں لیتے۔ اور کھانے پینے میں جو چیز چھات ہے وہ تو ظاہر ہے ہی۔ سیچوں پر سے بھائی بھائی کا اعلان کرنا اور بات ہے۔ ان کو دروں محنت کش خاندانوں میں جا کر دیکھو کہ کس طرح مسلمانوں کے گھروں میں ماتم ہو رہا ہے۔ ہندو دنیا زمیندار کا خون جو س رہا ہے۔ اس سے ہندو زمیندار کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ مگر چونکہ اس کی کوشش کا آخری نتیجہ مسلمانوں کی تباہی ہے۔ اس کے خلاف قانون پاس نہیں ہونے دیا جاتا۔ اور مسلمان ساتھ ہندو کا اس امید میں پسیا جاتا ہے کہ اس کی حالت کو ہم بعد میں درست کر لیں گے۔ مسلمان اخبارات کے اشتہارات کے کام دیکھو۔ ہندو اخبارات سے دو گنی اور تین گنی اخراجات ہے۔ مگر عدالتوں کے اشتہار اور دوسرے گورنمنٹ اشتہارات ان میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ لیکن ہندو اخبارات ذیل سے ذیل بھی ان اشتہارات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور انہی اشتہارات کی بدولت چل رہے ہوں گے۔ اسلامی مسائل کو نسل میں ایک نجاست کی طرح پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کی ہر اک ضرورت مقدم کی جاتی ہے۔ کچ ہی کا نار منظر ہے کہ مذہبی علیحدگی کا سوال ابھی کونسل میں پیش ہی نہیں ہونے دیا گیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند انسان بھی کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کو خود حفاظتی کی ضرورت نہیں۔ اور کیا ان حالات کی موجودگی میں کوئی مسلمان جو اپنے ہوش و حواس میں ہو

بچے رہ جائیگی وجہ سے ہندوؤں کو خاص نفع ہو رہا ہے۔ اب اس حالت میں ہندو خوب سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ترقی کی تو ہماری دولت کم ہو جائیگی۔ اور ایک حصہ دولت کا مسلمان لی جائیں گے۔ پس ان حالات میں کوئی عقلمند کس طرح سمجھ سکتا ہے کہ ہندو بے وقوف غنیمت مسلمانوں کو آگے بڑھنے دینگے۔ کیا مسلمان اپنی مقبوضہ چیزیں ہندوؤں کو بانٹ دیتے ہیں کہ ان سے یہ امید رکھیں کہ وہ اپنی مقبوضہ چیزیں یہ خوشی مسلمانوں کو دیدیں۔ پس جب حالات یہ ہیں۔ جو ادب و بیان ہوئے ہیں۔ تو ہر ایک مسلمان کو یہ اندیشہ ہے اور بالکل جائز اندیشہ ہے کہ ہندو بے سہرا افتدار آنے پر پورا زور لگائیں کہ مسلمان اپنی غفلت سے بیدار نہ ہوں۔ اور ضروری ہے کہ پہلے ہی ایسے قواعد بنائے جائیں کہ ہندو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں اور مسلمانوں کے لئے کام کے دروازے کھلے رہیں۔

بعض لوگ اس موقع پر نادانی سے یا مسلمانوں کو غافل رکھنے کیلئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ترقی کے راستے بہت ہیں۔ ملک ابھی اور ترقی کرے گا۔ پس مسلمانوں کی ترقی کے راستے مسدود نہیں ہیں۔ مگر یہ بات احمقانہ ہے۔ دنیا کی ترقی کے بھی بہت سے راستے ہیں۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یورپ کے لوگ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے راستے میں روکیں ڈالتے ہیں۔ اگر انگریز صنعتی کار کو یورپ پر بیٹھے یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ ہندوستان صنعت و حرفت میں ترقی کر جائے کیونکہ ڈرتے ہیں کہ اس سے ہمارے مال کو نقصان پہنچ جائیگا۔ تو ہندوستان کے ہندو نابزر کس طرح برداشت کر سکیں کہ مسلمان بھی اس میدان میں آگے نکلیں۔ اسی طرح گورنمنٹ ہند کے محدود ہیں اور انہیں ہندو قابض ہیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ جس قدر غنیمت مسلمانوں کا گورنمنٹ کے عہدوں میں بڑھایا جائے اسی قدر غنیمت ہندوؤں کا کم ہوگا۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ مسلمانوں کو عہدے دینے کے لئے کوئی گورنمنٹ ملکی ہو یا غیر ملکی تھے عہدے نکالے۔ پس کیا یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندو بخوشی خود مسلمانوں کے لئے جگہیں غالی کر دیں گے۔ اگر ایسا نہیں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ابھی سے ایسے قوانین تجویز ہو جائیں۔ جن سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق واقعی شہادت اس وقت تک تو میں نے اصولاً اس امر کی بحث کی تھی کہ ہندوستان میں ایسے حالات موجود ہیں۔ جن کی بنا پر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اب میں مختصر واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ بھی ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھا جائے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان بھی اس امر کا انکار کرے گا کہ ہندو مسلم تعلقات وہ نہیں ہیں جو ہوتے چاہئیں۔ یا یہ کہ تعصب و دونوں اقوام میں کام نہیں کر رہا۔ گورنمنٹ کی ملازمتوں کو لیکو شروع سے لیکر آخر تک ہندو غنیمت غالب ہے۔ مسلمان اپنے جائز حقوق سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ جو شخص کسی مذہبی سبب سے ملازمت میں آجی جاتا ہے تو ہندو عدالت اس کے نکالنے کے وہ پے رہتا ہے۔ چند دن ہوئے بمگال کے ایک مسلمان ممبر کونسل نے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بات بیان کی تھی کہ تعجب ہے کہ ایک مسلمان ملازم ایک ہندو افسر کے